



حقیقت و سلیمان

www.KitaboSunnat.com

مقصود آن فرضی



المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بالغاط

هاتف و فاكس ٦٤٤٢١٥٧٦ . ص. ب ١١٧



معزز قارئین توجہ فرمائیں

کتابِ مہنت کی روشنی میں لمحیٰ جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا منتظر

- **کتاب و سنت ذات کام** پرستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
 - **بیانات التحقیق الislamی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصریق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
 - **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیه

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر متمم کتب متعلقہ ناشرپن سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com
🌐 www.KitaboSunnat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهُهُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○

(السائدة: ٣٥)



حقیقت و سلیمان



ابوکیم مقصود الحسن فیضی
حاصل مطالعہ

www.KitaboSunnat.com

پروگرام امدادی

پوسٹ بکس 5166 مائن ٹاؤن ایبور، فون 4789

نام کتاب : حقیقت و سیلہ
تألیف : ابوکلیم مقصود الحسن الفیضی
السعودیہ۔الغاط ت : 06/4421189
ناشر : نور اسلام آکڈمی لاہور۔پاکستان
اشاعت : اول ————— جولائی 2000ء
سوم ————— دسمبر 2000ء
زیر اہتمام : المکتب التعاونی للدعاۃ والارشاد
وتوعیۃ الحالیات فی محافظۃ الغاط

بسم الله الرحمن الرحيم

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد

وتوعية الجاليات في محافظة الغاط

تحت إشراف وزارة الشؤون الإسلامية

والآوقاف والدعوة والإرشاد

نبذة عن المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات في محافظة الغاط
 افتتح المكتب عام ١٤١٢هـ على يد السماحة الإمام عبد العزيز بن عبد الله بن باز رحمه الله.

- دخل في الإسلام عن طريق المكتب ٤١ شخصاً مابين رجل وامرأة.
- تم توزيع وطباعة عدد ٢٥٤٦٨ مادة دعوية.
- يقيم المكتب مراكز لتفطير الصائمين يبلغ عدد المستفيدين منها حوالي (١٢٠٠٠) شخص خلال شهر رمضان ويصاحب هذه المراكز دروس توعية للجاليات المستفيدة منها.
- يوزع المكتب هدية خادم الحرمين الشريفين من المصحف الشريف وترجم القرآن الكريم.
- إقامة المسابقات النسائية: وكذلك المسابقات بين الجاليات بعرض حضرهم لطلب العلم.
- نشر العلم الشرعي وتصحيح عقائد كثير من الجاليات المقيمة في منطقة خدمات المكتب.

• إقامة الدورات الأولية في القرآن والفقه والتوحيد. وتوزيع جوائز للمشاركين بها.
 • تم ترجمة عدد (٢٦) كتيب ومطوية إلى اللغات: الأوردية، البنغالية، الأندونيسية.

كلمة صاحب الفضيلة العلامة عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين في سجل الزيارات

الحمد لله وحده وصلى الله وسلم على من لا نبي بعده محمد وآله وصحبه وبعد: فقد يسر الله في يوم الجمعة الثالث عشر من شهر جمادي الأولى عام ألف وأربعمائة وستة عشر للهجرة أن زرت المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات في محافظة الغاط واطلعت على بعض من أعمال القائمين على هذا المكتب وقد سرني وأفرجني ما رأيت من نشاط وجهد مبذول من الإخوة مع تبرع أكثرهم بالعمل ومع أعمال شاغلة ولا شك أن هذا واجب العلماء والصالحين لاحواهم المواطنين والوافدين المسلمين وحق عليهم دعوة غير المسلمين رجاء أن يهدي الله من أراد به خيراً والله أعلم: قاله وكبه عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين . وصلى الله وسلم على محمد وآله وصحبه وسلم . ١٤١٩/٥/١٣ هـ

اطلب النبذة التعريفية عن المكتب؛ تصلك بالبريد مجاناً



ولقد اتفق المفسرون أن معنى الوسيلة في هاتين الآيتين هو التقرب إلى الله تعالى بفعل الطاعات واجتناب المحرمات. وهذا هو قول ابن عباس وحسن ومجاهد وغيرهم من المفسرين حتى قال قتادة: أي تقربوا

الله بطاعته والعمل بما يرضيه (تفسير الطبرى)، ج ٤، ص ٥٦٧ - وابن كثير، ج ٢، ص ٧٤ - والدر المشور، ج ٣، ص ٩١٧ وغيرها من كتب التفسير) وهذا المعنى هو المعتمد عند الأئمة السلف كابن حجر وإبن كثير وغيرهم حتى قال ابن كثير: وهذا الذي قاله هؤلاء الأئمة لا خلاف بين المفسرين فيه (ابن كثير، ج ٤، ص ٢ - وانظر أيضاً تفسير الطبرى، ج ٦، ص ٢٢٦ و ٢٢٧ - والقرطبي، ج ١، ص ١٥٩) وبناء على هذه الآيات اتفق علماء السلف والخلف على مشروعية التوسل واتفقوا على صورة التي وردت في القرآن الكريم والسنة المطهرة، ولكن بعض الناس من قديم الزمان أخطأوا بل غيروا معنى هذا المصطلح الشرعي وذلك تأثراً بالفرق الصالحة أو جسلاً بالمعنى الشرعي للتتوسل أو اعتماد على بعض الأحاديث الضعيفة والموضوعة ك الحديث توصل آدم بالنبي ﷺ وحديث إذا تحررت في الأمور فعليكم بأهل القبور، فابتعدوا صوراً وبعضها بدعة وبعضها شرك صريحة حتى انتشرت هذه الصور البدعية والشركية للتتوسل عند كثير من الناس وبدأت تختفي الصور الشرعية للتتوسل حتى انبرى محمد العصر ومنظمه عقيدة السلف شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله لهذا الأمر حيث سخر قلمه لتأييد السنة وقمع البدعة وتكلم في موضوع الوسيلة بالتفصيل في كثير من كتبه ووضح الحق من الباطل حتى ألف كتاباً مستقلاً في موضوع التوسل سماه (فقاعدة جليلة في التوسل والوسيلة) وهو كتاب علمي فريد في بابه وكل من جاء بعده وألف في موضوع التوسل اعتمد على هذا الكتاب حتى تستطيع أن تقول إن الكتب المؤلفة في موضوع التوسل كلها إما اختصار لهذا الكتاب الجليل أو تهذيب أو شرح وتعليق عليه.

ومن الكتب المفيدة في هذا الشأن كتاب العلامة الألباني (رحمه الله) التوسل، أنواعه وأحكامه ولفضيلة الشيخ العلامة محمد بن صالح العثيمين (حفظه الله) ومتعبنا بطول بقائه بحوث وفتاویٰ كثيرة في أنواع التوسل وأحكامه ونظر على سبيل المثال جموع فتاوى ورسائل الشيخ محمد بن عثيمين (ج ٢، ص ٣٥٢ - ٣٥٣ - وج ٥، ص ٢٧٩) ولكن للأسف الشديد مع وضوح المسألة وضوحاً لاحفاء فيه ما زال الكثير من الناس عربهم وعجمهم متأثرين بل ومتمسكين بالتوسل البدعي حتى وصل الأمر ببعض الناس أنك إذا بنت لهم الصور المشروعة للتتوسل يتهمونك بالوهابية وأنك عدو للأولياء وأنك لا تحب الرسول ﷺ وغير ذلك من التهم.

وحيث أن أخي الشيخ مقصود الحسن، له تجربة طويلة في أمور الدعوة وحرص على تبيان السنة وقمع البدعة وحرص على هداية الناس، رأى أهمية هذه المسألة ووجوب تقريرها للمسلمين بأسلوب مبسط يسهل فهمه على كل من يقرأ الكتاب، فقام وفقه الله، بتأليف كتابه الموسوم بـ (حقيقة التوسل) وهو كتاب سهل الأسلوب والعبارة سهل الفهم على العامي والمتعلم بين فيه المعنى الشرعي للتتوسل. ودحض الصور المبتدعة في معنى التوسل والكتاب حرى بتكييف نشره وتوزيعه نظراً للحاجة الماسة لتبيان الوجه الشرعي لحقيقة التوسل. نسأل الله أن يجزي المؤلف خيراً على صنيع وأن يبارك له في علمه ووقته ونسأله تعالى أن يرزقنا جميعاً الإخلاص في القول والعمل .

وصلى الله تعالى وسلم على نبينا محمد وآلـه وصحبه أجمعين.

كتبه / عبد الرحمن بن المحسن الخصين

مدير مكتب الدعوة والإرشاد وتنمية الجاليات في محافظة

١٤٢١/٧/٩٢٧

ترتیب

۵	دل کی بات
۷	تمہید
۲۱	کیا مردے سنتے ہیں؟
۳۶	حقیقت و سیلہ
۳۶	وسیلہ کا معنی
۳۷	قرآن و حدیث میں وسیلہ کا مفہوم اور اس کی فہمیں
۳۷	اسکے تفسیر کے نزدیک لفظ و سیلہ کی تعریف
۴۱	وسیلہ کی ضرورت اور اقسام
۴۳	شرعی ثابت و سیلہ
۴۵	❶ پہلی صورت: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ
۵۲	❷ دوسری صورت: اعمال صالحہ کا وسیلہ
۵۳	قرآن حکیم سے مثال
۵۵	احادیث نبویہ سے مثال
۶۰	❸ تیسرا صورت: نیک اور صالح بندے کی ذمہ کا وسیلہ
۶۱	قرآن حکیم سے ولائیں
۶۳	احادیث نبویہ سے ولائیں
۶۸	وسیلے کے ناجائز طریقے
۶۸	❶ کسی کی ذات کا وسیلہ
۷۰	❷ کسی کے رتبے اور مقام کا وسیلہ
۷۱	❸ کسی خلق کے حق کا وسیلہ
۷۳	❹ غیر موجود زندہ یا کسی مردے کی ذمہ کا وسیلہ

۷۹	شُبهات کا ازالہ
۸۰	☆ پہلی بحث: آیاتِ کریمہ سے غلط استدلال
۸۷	زیر غور آیات پر ایک نظر
۹۳	☆ دوسرا بحث: بعض احادیث سے استدلال
۹۴	پہلی غلط فتحی
۹۶	دوسری غلط فتحی: ضعیف حدیث پر عمل اور اس سے استدلال کا حکم
۱۰۰	وسیله کے ثبوت میں پیش کی جانے والی بعض احادیث کا جائزہ
۱۰۰	➊ حدیث: توبہ آدم
۱۰۱	➋ حدیث: حق نبی
۱۰۳	➌ حدیث: اہل قبر کی شفاعت
۱۰۵	➍ حدیث: جاہ ر رسول کا وسیله
۱۰۸	➎ حدیث انضریر (نایبیت سے متعلق حدیث)
۱۱۰	➏ حدیث عرض الاعمال (اللہ کے رسول محبوب پر اعمالِ امت کا پیش کیا جانا)
۱۱۳	➐ سواد بن قاربؑ کے اسلام لانے کا واقعہ
۱۱۶	➑ قوتت ذاکرہ کی روایت
۱۱۸	➒ خیر کے یہود کا اللہ کے رسول محبوب کا وسیلہ لینا
۱۲۲	☆ تیسرا بحث: قصوں اور خوابوں سے استدلال
۱۲۹	➓ عنینی کا واقعہ
۱۳۱	➔ ایک اعرابی کا خواب
۱۳۳	➏ مجرہ مبارکہ پر روشن دان کھونے کا واقعہ
۱۳۶	➏ امام شافعیؓ کامام ابوحنیفؓ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا
۱۳۸	☆ چوتھی بحث: لوگوں کا عمل اور علماء کا سکوت
۱۴۲	علماء کی بات کب قابل عمل ہوتی ہے؟
۱۵۶	☆ پانچویں بحث: خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا
۱۷۳	مرد و جو وسیلہ اسلام کے منافی امور میں کیوں داخل ہے؟



دل کی بات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاصْحَابِہٖ
وَآتَبَاعِہٖ بِالْحُسَانِ إِلَیْیَوْمِ الدِّینِ — اَمَّا بَعْدُ :

ہر باشور کا یقین ہے کہ آگ سے ہاتھ جل جاتا ہے، لہذا کوئی سمجھ دار جان بوجہ کر آگ کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ اسی طرح ہر انسان کا یقین ہے کہ مال و متاع ضرورت پوری کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر صاحبِ استطاعت انسان مال کمانے میں اپنی جانِ عزیز کا بڑا حصہ خرچ کر ذاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یقین اور عقیدہ کے کام کے کردار پر گمراہ اور لازمی اثر ہے۔

بس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر آخرت میں نجات نہیں مل سکتی وہ پوری محنت کے ساتھ ایمان کو حاصل کرے گا اور اعمالِ صالحہ کے لئے وقت اور سرمائے کو خرچ کرے گا۔ اور یہی نجات کا محفوظ راستہ ہے۔ البتہ اگر کسی کا عقیدہ بگزگیا اور اُس نے سمجھ لیا کہ فلاں صاحب کا وسیلہ کام دے دے گایا فلاں ہستی کی شفاعة کام آجائے گی تو بھلا وہ کیونکر مشقت اٹھا کر اعمال کی محنت کرے گا اور اپنی ذات و خواہشات کو پابندیوں میں جکڑے گا۔

اس وقت جب ہم عمومی مسلمانوں کا حال دیکھتے ہیں اور بالخصوص پاک و ہند میں بنے والے مسلمانوں کے حال پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلط عقائد کی وجہ سے بے عملی کے گھٹاٹوپ انہیروں میں بس رہے ہیں۔ لہذا رقم

السطور نے مولانا مقصود الحسن فیضی صاحب حال سکنہ الغاط سعودی عرب سے درخواست کی کہ ویلے کے عنوان پر ایک جامع و مدلل کتاب تالیف فرمائیں۔ انہوں نے ہماری درخواست قبول کرتے ہوئے بڑی محنت کے ساتھ اس مضمون کو جملہ تفصیلات کے ساتھ بیان کیا اور روشن دلائل کو آسان زبان میں سہو دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے محترم دوست کی محنت کو قبول فرمائ کر اسے مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنادے۔

نور اسلام اکیڈمی لاہور اس مختصر مجموع تالیف کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہے۔ و بالله التوفیق

مکانِ دعا و اصلاح
ابو عبد الرحمن شبیر بن نور
الدواوی (الریاض)

۱۴۲۰/۱۲/۱۸

بروز جمعہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تمہید

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ
الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آئِهِ وَصَاحِبِهِ أَجْمَعِينَ ، وَمَنِ اهْتَدَى
بِهَدْيِهِمْ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ — أَمَّا بَعْدُ :

هر انسان خواہش مند ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہو اور ہدایت پر کاربند
رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہدایت کیاں سے ملے گی؟ مسلمانوں کے لئے اس کا
جواب بہت واضح ہے کہ ہدایت کامستند ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے اور اس کے
بعد رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث مبارکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود
قرآن کریم کو مستند ذریعہ ہدایت قرار دیا اور سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں
فرمایا :

﴿إِنَّمَا ذِكْرُ الْكِتَابِ لِأَرِيبَ ۚ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ۝﴾

(البقرۃ: ۲۱)

”الف لام میم۔ یہ الکتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، سراپا ہدایت
ہے متقین کے لئے۔“

اہلِ تقویٰ کے ساتھ ساتھ یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے بھی سرچشمہ ہدایت
ہے۔ فرمایا :

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً
مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۝﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

”رمضان وہ محیہ نہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے

سرا سرہد ایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کافر کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔“ اور پھر قرآن حکیم کی تاشیر بدایت کسی خاص قوم، علاقے اور زمانے تک محدود نہیں، بلکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی حکومت و حاکمیت قائم ہے قرآن حکیم کی تاشیر بدایت موجود ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا :

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَلَمِينَ﴾ (ص: ۸۷)

”یہ تو ایک نصیحت ہے تمام جہاں والوں کے لئے۔“

جب واضح اور روشن آیات کریمہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بدایت کا مستقل ذریعہ قرآن حکیم ہے تو ہم قرآن حکیم سے سوال کرتے ہیں کہ : ”ہمیں دنیا میں صراطِ مستقیم کی بدایت اور آخرت میں نجات کافار مولا اور اصول بتایا جائے۔“

اس سوال کے جواب میں قرآن حکیم ہماری رہنمائی کی خاطر مندرجہ ذیل آیات پر غور کی دعوت دیتا ہے۔ فرمایا :

① ﴿الَّمْ ۝ ذَلِكَ الْكِتَبُ لَا رِبُّ ۝ فِيهِ ۝ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ۝ وَيَقِنُّونَ الصَّلَاةَ ۝ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۝ يَنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۝ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۝ وَبِالْأُخْرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ ۝ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾ (البقرة: ۱-۵)

”الف لام میم۔ یہ الکتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، بدایت ہے اُن پر ہیز گار لوگوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی

گئی تھیں (زبور، تورات، انجیل) ان سب پر ایمان لاتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

۲ ﴿ إِنَّمَا ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ هُدًى وَرَحْمَةً ۝ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوَةَ وَهُمْ ۝ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقَنُونَ ۝ أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًىٰ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ ۝ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾ (القمر: ۵-۱)

”الف لام ميم۔ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ ہدایت و رحمت ہیں نیکو کار لوگوں کے لئے، جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“

۳ ﴿ الَّذِينَ يَشْعِرُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمَّةِ الَّذِي يَجِدُونَهُ ۝ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْأُنْجِيلِ ۝ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۝ وَيَنْهَا مُعْنَى ۝ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيَحْرِمُ عَنْهُمُ ۝ الْخَبِيثَ وَيَضْعُفُ عَنْهُمْ إِصْرَارُهُمْ وَالْأَغْلَلُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۝ فَالَّذِينَ أَمْتَنَّا بِهِ وَعَزَّزْنَاهُ وَنَصَرَرْنَاهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أَنْزَلَ ۝ مَعَهُ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ ۝ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ ۝ إِلَّا هُوَ يُحْكِمُ وَيُمِيتُ ۝ صَفَّا مُنْتَوْا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمَّةِ ۝ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَاتَّبَعَهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ ﴾

(الاعراف: ۱۵۷، ۱۵۸)

”جو اس پیغمبر، نبی اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں

اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے، وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور نپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اکارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بند شیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لذدا جو لوگ اس پر ایمان لا سکیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (اے محمد ﷺ) کو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا تینخبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی باد شاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لا و اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم را وہ راست پالو گے۔“

﴿فَإِمَّا مَنْ تَابَ وَأَمْنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَى أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ﴾ (القصص: ٦٧)

”البتہ جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے، وہی یہ تو قع کر سکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہو گا۔“

﴿لَكِنَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرُ ۚ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ أَعَدَ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا ۖ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (التوبۃ: ٨٩، ٨٨)

”لیکن رسول ﷺ نے اور ان لوگوں نے جو رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا، اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ

تیار کر کئے ہیں جن کے نیچے نہ سب سہ رہی ہیں، ان میں وہ بیشہ رہیں گے۔ یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔“

﴿وَالْوُزْنُ يَوْمَئِنْدِ الْحَقُّ ۝ فَمَنْ ثَقَلَ مَوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا إِبْلِيسًا يَظْلِمُونَ ۝﴾ (الاعراف: ۸۹)

”اور وزن اُس روز عین حق ہو گا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاں پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں بٹلا کرنے والے ہوں گے، کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ بر تاؤ کرتے رہے تھے۔“ (۱)

قرآن حکیم سے ہم نے چند آیات پیش کی ہیں ورنہ یہ مضامین سارے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں کہ انسان کی نجات اور بدایت کا دار و مدار مندرجہ ذیل اصولوں پر کار بند رہنے میں ہے:

① اللہ تعالیٰ، انبیاء و رسول، فرشتوں، کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا۔

② سید الائیں والا خرین محمد الامین خاتم المرسلین ﷺ کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنا۔

③ عمل صالح کو دل و جان سے اپنالیانا۔

④ جان و مال سے اللہ کی راہ میں جماد کرنا۔

نیز قرآن حکیم پکار پکار کر کہ رہا ہے کہ آخرت میں نجات کا دار و مدار اعمال کی بنیاد پر ہو گا۔ جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا وہ کامیاب و کامران قرار پائے گا اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ ناکام و نامراد ٹھہرے گا۔ اس سلسلے

(۱) نیز یہی مضمون سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۲ اور سورۃ القارعہ آیت ۶ تا ۱۱ میں، یکجا جاسکتا ہے۔

میں کسی ذاتِ محترم کے ساتھ رشتہ و تعلق کسی کام کا نہ ہو گا۔ چند مثالوں پر غور کر لیں، بات مزید واضح ہو جائے گی۔ قرآن حکیم و اقعات کو اپنے خاص تاثیری اسلوب میں بیان کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ أَبْنَىٰ مِنْ أَهْلَنِي وَإِنَّ وَعْدَكَ
الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحُكْمِينَ﴾ قَالَ يَنْوُخُ إِنَّهُ لَيَسَ مِنْ
أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرٌ صَالِحٌ فَلَا تَسْتَئْلِنْ مَا لَيَسَ لَكَ بِهِ
عِلْمٌ إِنَّمَا أَعِظُكَ أَنْ تَكُونُ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾

(ہود: ۲۵، ۳۶)

(اولو العزم رسول حضرت نوح عليه الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا حالتِ کفر میں پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت نوح ﷺ دعا کرتے ہیں کہ) نوح نے اپنے رب کو پکارا، کہا: ”اے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ چیخا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے، لہذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کرجس کی حقیقت تو نہیں جانتا۔ میں تجھے فصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے۔“

ابوالانبیاء ملت ابراہیم کے سالاہ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف خاندان بلکہ والد تک سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور دولتِ ایمان کی خاطر ان سے اعلانِ جنگ کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم اور مثالی واقعے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذ
قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَآؤُ وَمِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

كَفَرُنَا بِكُمْ وَبَدَا يَسْتَأْنَنَا وَيَسْتَكْمُ الْعَدَاؤُ وَالْبَغْضَاءُ أَبْدًا حَتَّىٰ
تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لَأَيْهِ لَا سَتْغُفرَنَ لَكَ وَمَا
أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ﴿٣﴾ (المُمْتَحَنَةَ : ۳)

”تم لوگوں کے لئے حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ”ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوچھتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور تمہارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور یہ پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاو۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنی ہے) کہ: ”میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا اور (یہ بھی واضح کر دوں کہ) اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے۔“

تو گویا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا اولوا العزم اور جلیل القدر رسول خدا بھی اپنی مرضی سے اپنے باپ کے لئے کچھ حاصل کر لینے کا دعویدار نہیں اور نہ کوئی اور ہو سکتا ہے۔

درج ذیل حدیث پر غور کر لیں توبات اور زیادہ روش و واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((يَلْقَى إِبْرَاهِيمَ أَبَاهُ آزْرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلَى وَجْهِ آزْرٍ قَتَرَةٌ
وَغَبَرَةٌ، فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ: أَلَمْ أَقْلِلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي، فَيَقُولُ
آبُوهُ: فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِنِكَ، فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ: يَا رَبِّ إِنَّكَ
وَعْدَتَنِي أَنْ لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يَبْعَثُونَ، فَأَيُّ خَرْيٍ أَخْرَى مِنْ
أَبِي الْأَبْعَدِ؟ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى
الْكُفَّارِينَ، ثُمَّ يَقَالُ: يَا إِبْرَاهِيمَ، مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ؟ فَيَنْظُرُ،

فَإِذَا هُوَ بِذِيْخِ مُلْتَطِّخٍ، فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ) (۲۰)

”قیامت کے روز حضرت ابراہیم ﷺ اپنے باپ آزر سے ملیں گے اور آزر کا چہرہ کالا اور غبار آلود ہو گا۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہیں گے: ”میں نے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو!“ ان کا باپ جواب دے گا: ”آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔“ حضرت ابراہیم عرض کریں گے: ”اے مولی! تیرا مجھ سے وعدہ تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوانیں کرے گا۔ میرے محروم رحمت والد کی موجودہ حالت سے بڑھ کر اور کیا رسوانی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے۔“ پھر حضرت ابراہیم سے کہا جائے گا: ”اے ابراہیم! ذرا دیکھو تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟“ حضرت ابراہیم دیکھیں گے کہ ان کا باپ خون میں لست پت بتوکی شکل میں ہو گا۔ پھر اسے ناغوں سے پکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔“

زندگی میں یہوی کارشته بست گمراہ اور مخلصانہ ہوتا ہے، لیکن اللہ کے مقابلے میں کوئی رشتہ کسی کام کا نہیں۔ ذرا غور کریں :

﴿ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا أَمْرَاتُ نُوحٍ وَأَمْرَاتُ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَنْدِيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَاتَتْهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ اذْخُلَا النَّارَ مَعَ الدُّخِلِيْنَ ﴾ (الثّحْرِيم: ۱۰)

”اللہ کافروں کے معاملے میں نوح اور لوط کی یہویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے: وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں، مگر انہوں نے

(۲) صحيح البخاري: ۳۱۷۲، كتاب الانبياء، باب ۱۰، قول الله تعالى :

﴿ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴾ (۱۰)

اپنے شوہروں سے خیانت کی، وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ، آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چل جاؤ! ”

ادھر آنحضرت ﷺ نے بھی اس بات کو بست واضح اور زور دار الفاظ میں بیان فرمادیا تاکہ کسی کو یہ زعم نہ رہے کہ اس کا کوئی تعلق سید المرسلین سے ہے، لذماں ناطے اس کی بخشش و نجات ہو جائے گی، بلکہ واضح کر دیا کہ ہر کسی کی نجات اس کے ذاتی عمل سے ہو گی۔ حضرت ابو ہریرہ رض بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی : ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۳) ”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو متنبہ کرو“ تو آپ ﷺ نے فرمایا :

((يَا مُعْشَرَ قُرْيَشٍ اشْتَرُوا أَنفُسَكُمْ لَا أَغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أَغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُظَلِّبِ لَا أَغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا صَفِيَّةَ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ لَا أَغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أَغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا)) ^(۳)

”اے خاندانِ قریش! اپنے آپ کو خود ہی آگ سے بچالو، میں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے اولادِ عبدِ مناف! میں اللہ کے پاس تمہارے بھی کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے چچا عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے پاس تمہارے بھی کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے رسول اللہ

(۳) صحيح البخاري: ۲۶۰۲، كتاب الوصايا، باب ها يدخل النساء والولد في الأقارب۔ صحيح مسلم: ۲۰۳، كتاب الإيمان، باب في قوله تعالى : ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾

کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے پاس تمہارے بھی کسی کام نہ آسکوں گا۔
 اے جانِ جگر فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، البتہ
 اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔“
 اتنی واضح، دونوں اور صحیح ترین حدیث کی موجودگی میں اگر کسی کو کسی پیر، امام،
 ولی، بزرگ، آستانے یا مزار سے نسبت کی وجہ سے مغالطہ ہو تو آج ہی ذور کر
 لے، ورنہ وہ اپنی ذات کو دھوکہ دینے کے علاوہ کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔

سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہدایت اور نجات کا دار و مدار ایمان
 اور عمل صالح پر منحصر ہے، اس کو پھوڑ کر کوئی دوسرا استہ نہیں، چاہے قبلیہ،
 برادری، رشتہ داری و دلی مناسبت کے اعتبار سے کسی نیک ہستی کے ساتھ کیا ہی
 گمراہ شہ م موجود ہو۔ اس موقع پر ایک اور مغالطہ بھی وضاحت طلب ہے کہ
 جب ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں تو ہم مسلمان ہیں، جب مسلمان ہیں تو
 آخرت میں بالآخر نجات ہو ہی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے زبانی اظہار یادِ عوے کا نام اسلام ہے۔ اور دنیا
 میں سارے احکام اس اصول و قاعدے کے اعتبار سے طے ہوں گے۔ اس اعتبار
 سے ایک مسلمان معاشرے میں ایک پچ مسلمان اور منافق مسلمان دونوں برابر
 کے قانونی و معاشرتی حقوق رکھتے ہیں، کیونکہ قانون و نظام کے اعتبار سے دونوں
 برابر ہیں۔ مثلاً ایک باپ کے دو بیٹیوں، ایک سچاپکا، باعمل مسلمان اور دوسرا
 منافق و بے عمل مسلمان، تو رشتہ داری میں اور تقسیم و راثت کے اعتبار سے
 دونوں مساوی و برابر حقوق پائیں گے۔ البتہ آخرت میں نجات ایمان کی بنیاد پر ہو
 گی۔ وہاں نسلی نسبت یا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہ ہو گا۔ ایمان کیا ہوتا ہے اور اس
 کے زندگی پر اثرات کس طرح مرتب ہوتے ہیں؟ اس کی تفصیل مشور مفسر

قرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ریتھر نے اس طرح بیان کی ہے :

”اب رہایہ سوال کہ ایمان لانے سے کن چیزوں پر ایمان لانا غرادر ہے، تو قرآن مجید میں پوری طرح اس بات کو بھی کھوں کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے خرا و اولاً اللہ کو مانتا ہے۔ مخفی اس کے وجود کو مانتا نہیں بلکہ اسے اس حیثیت سے مانتا ہے کہ وہی ایک خدا ہے، خدا تی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، وہی اس کا مستحق ہے کہ انسان اس کی عبادت، بندگی اور اطاعت بجالائے۔ وہی قسمیں بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ بندے کو اسی سے دعا مانگنی چاہیئے اور اسی پر توکل کرنا چاہیئے۔ وہی حکم دینے اور منع کرنے والا ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے رک جائے۔ وہ سب کچھ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ اس سے انسان کا کوئی فعل تو درکنار، وہ مقصد اور نیت بھی مخفی نہیں ہے جس کے ساتھ اس نے کوئی فعل کیا ہے۔ ثانیاً رسول کو مانتا، اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مامور کیا ہوا ہادی و رہنماء ہے، اور جس چیز کی تعلیم بھی اس نے دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، برحق ہے اور واجب اتسیم ہے۔ ای ایمان بالرسالت میں ملائکہ، انبیاء اور کتبِ الہیہ پر، اور خود قرآن پر بھی ایمان لانا شامل ہے، کیونکہ یہ ان تعلیمات میں سے ہے جو اللہ کے رسول نے دی ہیں۔ ثالثاً آخرت کو مانتا، اس حیثیت سے کہ انسان کی موجودہ زندگی پسلی اور آخری زندگی نہیں ہے، بلکہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھتا ہے، اپنے ان اعمال کا، جو اس نے دنیا کی اس زندگی میں کئے ہیں، خدا کو حساب دینا ہے، اور اس محاسبہ میں جو لوگ نیک قرار پائیں انہیں جزا، اور جو بد قرار پائیں ان کو سزا ملنی ہے۔ یہ ایمان اخلاق اور سیرت و کردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دیتا

ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جماں
سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی
خوش نما کیوں نہ ہو، اس کا حال ایک بے لنگر کے جہاز کا ساہوتا ہے جو
موجودوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔^(۲)

جب اس معیار کا ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو پھر اس سے اعمال صالح کی
خوبیوں اور مرک خود بخوبی پھوٹنے لگتی ہے، جو چھپائے نہیں چھپ سکتی۔ مولانا
مودودی برلنیج اس حقیقت کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

”ایمان کے بعد دوسری صفت“ جو انسان کو خسارے سے بچانے کے لئے
ضروری ہے، وہ صالحات (نیک کاموں) پر عمل کرنا ہے۔ صالحات کا لفظ
تمام نیکیوں کا جامع ہے جس سے نیکی اور بھلائی کی کوئی قسم چھوٹی نہیں رہ
جاتی۔ لیکن قرآن کی رو سے کوئی عمل بھی اُس وقت تک عمل صالح
نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی جڑ میں ایمان موجود نہ ہو، اور وہ اس
ہدایت کی پیروی میں نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔
اسی لئے قرآن مجید میں ہر جگہ عمل صالح سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔
اور اس سورہ (یعنی سورۃ العصر) میں بھی اس کا ذکر ایمان کے بعد ہی آیا
ہے۔ کسی ایک جگہ بھی قرآن میں ایمان کے بغیر کسی عمل کو صالح نہیں
کہا گیا ہے اور نہ عمل بلا ایمان پر کسی اجر کی امید دلائی گئی ہے۔ دوسری
طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایمان وہی معتبر اور منفید ہے جس کے
صادق ہونے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے۔ ورنہ ایمان بلا
عمل صالح محض ایک دعویٰ ہے جس کی تردید آدمی خود ہی کر دیتا ہے
جب وہ اس دعوے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول نکتباً ہوئے

(۲) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۲۵۲، تفسیر سورۃ العصر

طریقے سے ہٹ کر چلتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا تعلق بیچ اور درخت کا ساہے ہے۔ جب تک بیچ زمین میں موجود نہ ہو کوئی درخت پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بیچ زمین میں ہوا اور کوئی درخت پیدا نہ ہو رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بیچ زمین میں دفن ہو کر رہ گیا۔ اسی بناء پر قرآن پاک میں جتنی بشارتیں دی گئی ہیں انہی لوگوں کو دی گئی ہیں جو ایمان لا کر عمل صالح کریں، اور یہی بات اس سورہ میں بھی کہی گئی ہے کہ انسان کو خسارے سے بچانے کے لئے جو دوسری صفت ضروری ہے وہ ایمان کے بعد صالحات پر عمل کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر عمل صالح کے بغیر محض ایمان آدی کو خسارے سے نہیں بچا سکتا۔^(۵)

اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں چاہے انسان نسلی اسلام یا زبانی دعوے کے ذریعے مسلمان کملائے، لیکن آخرت میں نجاتِ حقیقی ایمان اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اعمالِ صالح کے بغیر ناممکن ہے۔

اب آئیے دیکھیں کہ وسیلہ کیا ہے؟ اور اس کی کتنی شکلیں ہیں؟

وسیلہ : کسی ذات کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان وسیلہ سمجھ کر پکارنا، اس سے سفارش کا طالب ہونا، اس پر توکل و بھروسہ کرنا، یہ عام لوگوں کا دانستہ یا نادانستہ خیال ہے۔ اور غالب اکثریت اسی اعتقاد کی حامل ہے، لیکن ذرا گھرائی میں جا کر دیکھیں تو وسیلے کی دو شکلیں ہیں: مشرع و غیر مشرع۔

مشرع وسیلے کا معنی ہے کہ جس شکل میں وسیلہ پکڑنا شریعت میں جائز ہے۔

اس کی تفصیلات آرہی ہیں، لیکن ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ ایمان و عمل صالح کے ذریعے ہی پکڑا جا سکتا ہے اور یہ بات شریعت میں مطلوب و محمود ہے۔

(۵) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۵۲، تفسیر سورۃ العصر

غیر مشرع و سیلے کا معنی ہے کہ جس شکل میں وسیلہ پکڑنا شریعت میں جائز نہیں۔ اس کی تفصیلات آرہی ہیں، لیکن ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ ایمان و عمل صالح کی بجائے کسی ذات محترم کے ساتھ ذاتی تعلق، رشته داری یا نسبت کی بنابر پکڑا جائے۔ جس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ایمان — عمل صالح — اور کبائر سے احتساب کی چندال ضرورت نہیں، بلکہ محبوب خدا شخصیت کے ساتھ نسبت گانٹھ لو اور نجات ہو جائے گی۔ اسی کالازی نتیجہ ہے کہ درباروں، درگاہوں، آستانوں، اماموں، پیروں، فقیروں، قلندروں اور مజذوبوں کا دم بھرنے والے اکثر ویژت شرعی احکام سے نہ صرف آزاد بلکہ بے زار ہوتے ہیں اور یہ ہمہ قسم کے گناہوں اور جرموں کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ہم فلاں سرکار سے مفسوب ہیں اللہ اہماری بخشش کمی ہے، چاہے ہم جیسے کیسے اعمال کرتے رہیں۔ اور چونکہ یہ خود ساختہ ”سرکاریں اور کرنی والی ہستیاں“ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتی ہیں اس لئے یہ عقیدہ از خود پروان چڑھ جاتا ہے کہ ہمارے مردے سنتے ہیں اور کچھ کرنے اور کر گزرنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیا جائے کہ اپنی قبروں میں مدفن مردوں کے سنبھالنے کی شرعی حیثیت کیا ہے!

کیا مردے سنتے ہیں؟

عوام کے نزدیک مرد جو سیلہ کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ جن بزرگوں کو سیلہ کی خاطر ہم پکارتے ہیں وہ اگرچہ مرد ہیں، لیکن وہ ہماری ہربات ڈور و نزدیک سے سنتے اور جانتے ہیں۔ اس لئے اصل موضوع شروع کرنے سے پہلے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلے پر ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی سے سماںِ متوفی کا مسئلہ اختلافی رہا ہے۔ قرآن مجید کی واضح نصوص کی بنیاد پر أَمُّ الْمُؤْمِنِين حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے علماء کی رائے ہے کہ مردے قطعاً نہیں سنتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ نے کفار کو، جو ہدایتِ الہی پر کان نہیں دھرتے، مردوں سے تشبیہہ دی ہے، یعنی جس طرح مردے زندہ کا کلام نہ سنتے ہیں اور نہ ہی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی چونکہ رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ باتوں اور تلاوت کردہ آیات سے کوئی استفادہ نہیں کرتے تو گویا یہ لوگ بھی مرد ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمُؤْمَنِي وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَمَ الدَّعَاءَ إِذَا وَلَّا
مُذْبِرِينَ﴾ (الثَّمَل: ۸۰)

”آپ نہ مردوں کو سناسکتے ہیں اور نہ برسوں کو اپنی پکار سناسکتے ہیں، جبکہ وہ پیغام پھیرے بھاگ رہے ہوں۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے :

﴿فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمُؤْمَنِي وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَمَ الدَّعَاءَ إِذَا وَلَّا
مُذْبِرِينَ﴾ (الرُّوم: ۵۲)

”پس آپ نہ محدود کو سنا سکتے ہیں اور نہ بھروس کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جبکہ وہ پیشہ پھیرے بھاگ رہے ہوں۔“

مندرجہ بالا اور اسی طرح کی دوسری آیات کی روشنی میں عام طور پر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ محدودے نہیں سنتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَهَذَا قُولُ الْأَكْثَرِ^(۱) ”عام مفسرین کی یہی رائے ہے۔“

① امام المفسرین امام ابن حجر یہ طبری رضی اللہ عنہ اپنی مشہور تصنیف ”جامع البیان“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ فرمانِ اللہ ایک مثال کے طور پر آیا ہے جس کا معنی ہے کہ :

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشرکین جن کے کانوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور قرآن مجید کے ذریعے جو نصائح پیش کئے جا رہے ہیں اس کی سبھ ان سے چھین لی ہے، لہذا آپ انہیں سمجھا نہیں سکتے، جس طرح کہ آپ ان محدودوں کو بھی نہیں سمجھا سکتے جن کی قوتِ سماع کو اللہ نے چھین لیا ہے“ تھوڑا آگے فرماتے ہیں :

”اس آیت کے معنی میں جو کچھ ہم نے کہا ایسا ہی اہل تاویل بھی کہتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت قاتدہ رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے : ”اللہ نے کافر کی مثال پیش کی ہے کہ جس طرح محدودہ پکار کو نہیں سنتا اسی طرح کافر بھی نہیں سنتا۔“^(۲)

② مشہور مفسر امام ابن عطیہ اندلسی اپنی مشہور تفسیر ”المحرر الوجيز“ میں فرماتے ہیں :

(۱) فتح الباری ج ۷، ص ۳۰۳

(۲) تفسیر الطبری، تفسیر سورۃ الرود آیت ۵۲، ۵۳

”اللہ نے ان کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی ہے، کیونکہ خواہ مردوں سے بات کی جائے یا کافروں سے بات کی جائے دونوں صورتوں میں مطلوبہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔“ ^(۸)

۲) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ يَعْنِي الْكُفَّارَ لِتَرِكُهُمُ التَّدْبِيرَ فَهُمْ كَالْمَوْتَىٰ لَا حِسْنٌ لَهُمْ وَلَا عُقْلٌ ^(۹)

”آپ مردوں کو نہیں سن سکتے، یعنی کافروں کو، اس لئے کہ وہ تدبیر سے کام نہیں لیتے، بلکہ وہ مردوں کی طرح ہیں جنہیں نہ ہی احساس ہے اور نہ ہی عقل۔“

تفصیل مزید کیلئے دیکھئے کتاب ”الآیات البیتات“ کا مقدمہ از علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۱ سے ۲۳ تک۔

۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن التین کا قول نقل فرماتے ہیں کہ :
”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔“ ^(۱۰)

۴) امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ :

الذی یوجبه القرآن والَّذِی اَنَّ الْمَیِّتَ لَا یَسْمَعُ وَلَا یَحْسُنُ ^(۱۱)

”قرآن مجید اور عقل سلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں اور نہ احساس رکھتے ہیں۔“

۵) جمصور علماء احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔

(۸) المحرر الوجيز، ج ۲، ص ۲۷۰

(۹) تفسیر جامع احکام القرآن، ج ۱۳، ص ۲۳۲

(۱۰) فتح الباری، ج ۳، ص ۲۳۵ (۱۱) الفروع لابن مفلح، ج ۲، ص ۳۰۱

چنانچہ علامہ ابن الہمام رضی اللہ عنہ بہ ایہ کی شرح فتح القدير پر تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے احتجاف کے نزدیک مفردے سنتے نہیں ہیں۔^(۱۲)

حتیٰ کہ علامہ نعمن الاؤسی حنفی رضی اللہ عنہ اپنی نادر و مفید کتاب الآیات البیتات میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صاحبین اور ائمہ مذاہب رشیعہ کے مفتی جو قول پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ہر ایک سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خروجِ روح کے بعد مفردے سنتے نہیں ہیں۔ گویا کہ اس بارے میں فقیہ احتجاف کا جماع ہے۔ مؤلف نے اپنے اس دعوے پر دلیل کے طور پر درختار، رذختار، الجرالائق، حاشیہ الخطاوی وغیرہ کتب فقه سے علماء احتجاف کی عبارتیں نقل کی ہیں۔^(۱۳)
دوسراؤں یہ ہے کہ مفردے سنتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں اسے جمصور کا قول قرار دیا ہے۔^(۱۴)
علامہ شنقيطي رضی اللہ عنہ نے اسے جمصور کا قول بتلایا ہے اور اس مسلک کی تائید میں میں سے زائد صفات تحریر کئے ہیں۔^(۱۵)

اس مسلک کے قائلین علماء کا استدلال بعض ایسی احادیث سے ہے جن میں سماعِ موتنی کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً :

① وَقَفَ الرَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَلْبِ بَدْرٍ، فَقَالَ : ((هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟)) ثُمَّ قَالَ : ((إِنَّهُمْ أَلَآنِ يَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ))^(۱۶)

(۱۲) شرح فتح القدير، ج ۲، ص ۱۰۳

(۱۳) الآیات البیتات بتحقيق الالبانی، ص ۶۱

(۱۴) فتح الباری، ۲۲۲/۳ (۱۵) اضواء البيان، ۲۳۹-۳۱۲/۲

(۱۶) صحيح البخاری: ۲۹۸۰، المغازی، عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ - یہ حدیث مختصر اور مطابق بخاری شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ یہاں اختصار کی غرض سے ۲۰

”غزوہ بدر سے فراغت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ بدر کے کنویں پر
جس میں مشرکین کی لاشوں کو ڈال دیا گیا تھا) کھڑے ہوئے اور فرمایا:
”تمارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے حکم پایا؟“ پھر آپ
نے فرمایا: ”یہ اس وقت میری باتوں کو سن رہے ہیں۔“

(۱) ((الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلََّ وَذَهَبَ أَصْحَابَةُ حَتَّىٰ إِنَّهُ
لَيَسْمَعُ قَرْزَعَ بِعَالِيهِمْ، أَتَاهُ مَلْكَانِ فَأَقْعَدَاهُ)) (۱۷)

”بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے رخصت
ہوتے ہیں حتیٰ کہ ابھی وہ اپنے ساتھیوں کے جو توں کی آواز سن رہا ہوتا
ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پھر اسے بٹھا دیتے ہیں۔“

علامہ شنقیطی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کی
طرف سے صراحةً ہے کہ مردے اپنے ساتھیوں کے جو توں کی آواز سختے ہیں۔
یہ حدیث مردوں کے سنتے کے بارے میں نصیح صریح ہے اور بظاہر ہر اس
مردے کے بارے میں عام ہے جسے دفن کیا گیا ہے۔ (۱۸)

(۲) زیارت قبور کی مسنون ڈعائیں ان الفاظ کے ساتھ مردوں کو خطاب
کیا جاتا ہے :

((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ)) (۱۹)

→ صرف منحصر ترین الفاظ نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(۱۷) صحیح البخاری : ۱۳۳۸، الجنائز۔ صحیح مسلم : ۲۸۷۰، الجنۃ
و صفة نعيمها، عن انس بن مالک وغيرهما من الكتب الستة

(۱۸) اضواء البيان، ج ۲، ص ۲۲۵

(۱۹) صحیح مسلم : ۹۷۵، الجنائز۔ سنن النسائي ج ۲، ص ۹۳۔ سنن ابن
ماجه : ۱۵۲۷، الجنائز عن بریدة۔

”مسلمان گھرانے والو! تم پر سلامتی ہو۔“

بات واضح ہے کہ خطاب ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو سن رہے ہوں۔

تفصیل کے لئے تفسیر روح المعانی اور تفسیر اضواء البيان اور امام ابن قیم کی کتاب الروح کامطالعہ کیا جائے۔^(۲۰)

جو علماء سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں ہیں، خصوصاً علمائے احتجاف، وہ ان دلائل کا جواب کچھ اس طرح دیتے ہیں :

① مردوں کا عدمِ سماع قرآن حکیم سے واضح ہے، اس لئے بدر کے کوئی نہیں میں پھینکنے ہوئے مشرکین کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر بن عبید اللہ کی روایت اگرچہ سندِ صحیح ہے لیکن متأشذ ہے۔ اسی لئے تو حضرت عائشہؓ پنچھانے ان کی تردید فرمائی ہے۔^(۲۱)

(۲۰) تفسیر روح المعانی ج ۲۱، ص ۵۵۸۔ اضواء البيان ج ۶، ص ۳۱۶۔ ۳۲۹۶۔

(۲۱) حاشیة الطھطاوی علی رَدِّ المحتار ج ۳، ص ۲۸۱۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، علمائے حدیث نے اس جواب کو قبول نہیں کیا ہے، بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر بن عبید اللہ کی حدیث سندِ متأشذ ہے۔ البتہ حضرت ام المؤمنین عائشہؓ پنچھان کی تردید میں بن بجائب نہیں ہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر بن عبید اللہ کی تائید و سرے متعدد صحابہ نے بھی کی ہے، جیسے حضرات عمر بن الخطاب، عبد اللہ بن مسعود، ابو طلحہ اور عبد اللہ بن سیدان وغیرہم پنچھان۔ دیکھئے فتح الباری ج ۷، ص ۳۰۳ و حاشیۃ الآیات البینات للالبانی ص ۵۲، ۵۵۔ بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اللہ کے رسول ﷺ کا کلام سنا دیا تھا، تاکہ ان کے لئے یہ مزید حسرت و ندامت اور افسوس کا سبب بنے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک پنچھان کے شاگرد حضرت قادہ پنچھان فرماتے ہیں کہ : ”احیاهم اللہ حتی اسمعہم قوله توبیخاً و تصغیراً و نقمةً و حسنةً و ندمًا“۔ مستند احمد ج ۴، ص ۳۹۔ صحیح البخاری ج ۷، ص ۳۰۱۔ مع الفتح۔ صحیح مسلم۔ علامہ ابن عابدین اور ابن تیمیہ پنچھان نے اسی جواب کو اختیار کیا ہے۔ ردُّ المحتار ج ۵، ص ۶۵۸، ۶۵۷۔ الآیات البینات ص ۵۵۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت بریڈہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں وارد خطاب علی سبیل الموعظة والدعا ہے۔ اس کا مقصد مapro دوں کا سنا نہیں ہے۔^(۲۲) حتیٰ کہ علامہ نعمن الالوی حنفی ریتیہ ذر مختار، الظہیریہ، حاشیہ الطھطاوی علی مراثی الفلاح وغیرہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرتے وقت میت پر سلام کی نیت نہ کی جائے گی، کیونکہ وہ سنتا نہیں ہے، بلکہ حاضرین پر سلام کیا جائے گا۔ اس طرح مشور فقہاء کے کلام سے معلوم ہوا کہ میت پر سلام کی نیت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اسے مخاطب کیا جائے گا اور سلام کا مقصد صرف دعا کرنا ہے۔^(۲۳)

(۲) حضرت آنس بن میخوہ کی روایت، جس میں مapro دے کا اپنے ساتھیوں کے جو قوں کی آواز سننے کا ذکر ہے، اس سے مزاد وضع اول ہے نہ کہ دائی۔^(۲۴) گزشتہ سطور میں سماعِ موقتی سے متعلق ثابت کرنے والے اور تزوید کرنے والے دونوں قسم کے والا کل نقل کئے گئے، تاکہ ان والا کل پر غور کر کے ناظرین کسی نتیجے پر پہنچیں۔ راقم سطور کا اول جس بات پر مطمئن ہوتا ہے وہ ایک درمیانی صورت ہے جسے متعدد علماء نے پسند فرمایا ہے۔ اسکی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ نہ تو یہ صحیح ہے کہ مapro دے زندوں کی ہربات سنتے ہیں،^(۲۵) کیونکہ "آواز کا

(۲۲) حاشیۃ الطھطاوی علی ذر المختار ج ۲، ص ۳۸۱

(۲۳) الآیات البیتات ص ۹۸

(۲۴) تفصیل کے لئے دیکھیے الآیات البیتات و مقدمہ لالہ بنی۔

(۲۵) خصوصاً یہ عقیدہ رکھنا کہ ذر و زر دیک سے سنا ان کے نزدیک برادر ہے، خواہ یہ عقیدہ انبیاء و صالحین اور اولیاء ہی کے بارے میں رکھا جائے۔ بلکہ یہ آخری بات تو سرا سرگرامی اور ضلالت ہے۔ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و تابعین سے اس پر کہیں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

سنتا" زندوں کا خاصہ ہے۔ جب انسان مر گیا تو اس کی قوت سماعت بھی ختم ہو گئی، پھر وہ اہل دنیا کی آواز کو نہ سنتا ہے اور نہ ہی اس کا اسے ادراک ہوتا ہے۔ (۲۶)

(۲۷) حتیٰ کہ افضل الانبياء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے متعلق بھی کوئی ایسی صحیح اور صریح دلیل نہیں کہ آپ لوگوں کے درود یا سلام کو بلا اسطہ سنتے ہیں، بلکہ بہت سی حدیثوں میں ہے کہ لوگوں کا درود و سلام آپ ﷺ تک فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ بلا اسطہ لوگوں کا سلام نہیں سنتے۔ درج ذیل احادیث غور طلب ہیں:

۱) انَّ اللَّهَ مِلَائِكَةً سَيَّاحِينْ يَلْعَفُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامُ (احمد ج ۱، ص ۳۵۲)۔
صحیح سنن النسائي : (۱۲۵) ج ۱، ص ۲۴۳۔ الحاکم ج ۲، ص ۳۲۱ عن ابن مسعود) "الله تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیر کرنے والے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

۲) اس سے بھی زیادہ واضح حدیث وہ ہے جسے علام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے مندوالدینی وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((أَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ وَكَلَّ بِنِي مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِي فَإِذَا صَلَّى عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي قَالَ لَنِي ذَلِكَ الْمَلَكُ : يَا مُحَمَّدُ إِنَّ فَلَانَ بْنَ فَلَانَ صَلَّى عَلَيْنِكَ السَّاعَةَ)) (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱۵۲۰) "مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو میری قبر کے پاس مقرر فرمایا ہے۔ جب مجھ پر میرا کوئی امتی درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتے مجھے کہتا ہے: اے محمد (ﷺ) اس وقت فلاں آدمی کے بیٹے فلاں نے آپ پر درود پڑھا ہے۔" — فرشتوں کے ذریعے سلام کا پہنچایا جانا وغیرہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ بلا اسطہ لوگوں کا سلام نہیں سنتے۔

۳) اسی معنی میں سنن ابو داؤد کی روایت ہے کہ: ((ما مِنْ أَحَدٍ يُسْلِمُ عَلَى الْأَرْضِ اللَّهُ عَلَىٰ رُؤُجُونِ حَتَّىٰ أَرْدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ)) "جو کوئی بھی مجھ پر سلام پھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو وہ اپس کر دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔" - امسند احمد ج ۲، ص ۲۲۷۔ سنن ابی داؤد: ۲۰۳۱ المتناسک۔ سنن انکبیری للبیهقی ج ۵، ص ۲۵۔ عن ابی هریرۃ۔ وکیمیۃ الصحیحة: ۲۲۶۶۔

اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مردے زندوں کی کوئی بات نہیں سنتے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ :

اصل قاعدہ یہ ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں، البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں جو اس عام قاعدے سے مستثنی ہیں۔ خصوصاً وہ صورتیں جن کا ذکر احادیث صحیح میں آیا ہے۔ متعدد علمائے محققین نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ علی سبیل المثال ① علامہ ابن التیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

”حدیث ابن عمر (جس میں الہی بدر سے خطاب اور ان کے سخنے کا ذکر ہے) اور آیتِ قرآنی میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں، البتہ اگر اللہ کسی ایسی چیز کو سنانا چاہے جو عاد نہ سنتی نہیں ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔“^(۲۷)

② علامہ آلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں ایک لمبی بحث کے بعد فرماتے ہیں :

فیقتصر علی القول بسماع ماورد السمع بسماعه من
السلام و نحوه وهذا الوجه هو الذي يترجح عندى

^(۲۸)

ایک شبہ کا ذکر : ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((منْ صَلَّى عَلَيَّ عَنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَاتِيَا بِلْعُنَّةِ)) (الجامع الصغير نقلاً عن البیهقی فی شعب الایمان : ۸۸۱۲) ”تو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پہنچے تو اسے میں خود سنا ہوں“ اور ہؤور سے درود پہنچتا ہے وہ مجھ تک پہنچا جاتا ہے۔
وضاحت : اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے محققین مثلاً ہی ”ابن دیہ“، ”ابن الجوزی“، ”ابن تیمیہ“ اور الالبانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے : فیض القدیر ج ۶، ص ۲۲۰۔ الموضوعات لابن الحوزی : ۳۲۲۔ تلخیص الموضوعات للذہبی : ۲۵۸، ص ۱۳۱۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی ۲۰۳، ج ۱، ص ۲۲۹۔
۲۷) فتح الباری ۲۲۵/۳۔ ۲۸) تفسیر روح المعانی ۵۸/۲۱۔

”جن چیزوں کے سامنے متعلق نصوص دارد ہیں، مثلاً سلام وغیرہ، انہی چیزوں کے سخنے پر اکتفا کیا جائے گا، یہی رائے میرے نزدیک راجح ہے۔“

(۲۹) علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

(۳۰) سعودی عرب کی ”اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء“ نے اپنے ایک سے زائد فتویٰ میں اس رائے کو راجح قرار دیا ہے۔

البنت مطلقاً اور ہر وقت سامنے کا دعویٰ کرنا اور ستم بالائے ستم انہیں مشکل اوقات میں پکارنا سرا سر غلط ہے اور شرک ہے، جس پر قرآن و حدیث سے کوئی صریح ولیل نہیں ہے۔ بلکہ بعض آیات و احادیث کا تو یہ مفہوم ہے کہ اللہ کے مقرب ترین بندے انبیاء و رسول ﷺ بھی اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اپنے ماننے والوں کے اعمال سے مطلع نہیں رہتے، چہ جائیکہ نیک لوگوں سے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے۔ درج ذیل آیت پر ذرا غور کریں کہ یہ آیت کتنے واضح الفاظ میں مشرکین کے عقیدہ توسل کی تردید کر رہی ہے۔

﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمَنِir ۝ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُونَ أَذْعَاءَكُمْ ۝
وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۝ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ
بِشَرِيكِكُمْ ۝ وَلَا يَتِئْكِ مِثْلُ خَبِيرِir ۝﴾ (فاطر: ۱۳، ۱۴)

”وہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے، اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقتِ حال کی ایسی خبر تمہیں ایک خبردار کے علاوہ کوئی

(۲۹) مقدمۃ الآیات البیانات، ص ۳۰ (۳۰) فتاویٰ اللجنة الدائمة / ۱۸۳۱۳

نہیں دے سکتا۔"

اس موضوع کو مختصر کرتے ہوئے صرف ایک آیت اور اس کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کرنے پر اتفاق آکیا جاتا ہے۔

سورۃ المائدۃ کے آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشی کا جس انداز میں ذکر فرمایا ہے ذرا اس کا منظردیکھئے اور اس سے عبرت حاصل کیجئے۔

﴿ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْصِي إِنَّ مَرِيمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ
إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ وَأَمْتَى إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا
يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي ۖ بِعْدَ ۖ إِنْ كُنْتَ قُلْتَهُ فَقَدْ
عَلِمْتَهُ ۖ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۖ إِنَّكَ
أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتَ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمْرَتَنِي بِهِ أَنْ
أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّنِي وَرَبَّكُمْ ۖ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دَمَتْ
فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَنْتَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝﴾ (المائدۃ: ۱۱۶، ۱۱۷)

"اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبد قرار دے لو؟ عیسیٰ ﷺ عرض کریں گے کہ میں تو تجوہ کو منزہ سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبانہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہو گا تو تجوہ کو اس کا علم ہو گا، تو تو میرے دل کے اندر کی بات جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جانے والا تو ہی ہے۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم

اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔
میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھ کو اٹھایا تو توہی
ان پر مطلع رہا اور توہیر چیز کی پوری خبر کھاتا ہے۔“

آیت اور اس کے ترجمے کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کس طرح اپنے لئے علم غیب کی نفی اور اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنی امت کے اعمال سے باخبر ہونے کی تردید فرمائے ہے ہیں۔ یعنی اے اللہ جب تک میں ان کے نجح موجود تھا تو ان کے اعمال پر مطلع تھا، لیکن جب آپ نے مجھے اس دنیا سے اٹھایا تو مجھے ان کے کسی عمل کی کوئی خبر نہیں رہی۔

امام المفسرین حضرت ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نہ کورہ بالاد و سری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

”اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ ﷺ کے جواب کی خبر دے رہا ہے کہ اے اللہ!
ہم نے تو ان سے وہی بات کی تھی جس کا آپ نے ہمیں کہنے کا حکم دیا تھا،
وہ یہ کہ صرف اسی اللہ کی عبادت کرو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے اور
اے اللہ! جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا تو ان کے اعمال پر
مطلع رہا اور میری موجودگی میں جو کچھ وہ کہہ یا کر رہے تھے میں اس کا
مشابہہ کر رہا تھا، پھر جب آپ نے مجھے اپنی طرف بلا لیا تو آپ ہی ان پر
گنگران تھے، یعنی میرے بعد آپ ہی ان کے اعمال کے حفظ (محفوظ
رکھنے والے) تھے، کیونکہ میں نے تو ان کے وہی اعمال دیکھے جو انہوں
نے میرے سامنے کئے تھے۔ اور آپ ہر چیز پر خبردار ہیں، یعنی آپ ہر چیز
کو دیکھتے ہیں، کیونکہ آپ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، اور جہاں تک
میرا تعلق ہے تو میں نے تو بعض چیزوں کا مشابہہ کیا ہے اور بس انہی
چیزوں کا جنہیں میں نے ان کے درمیان موجودگی میں دیکھا، اس لئے

میں اسی چیز پر گواہ ہوں جسے میں نے دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے ”۔ (۱۳۱)

اس آیت اور اس کی تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ عینیٰ علی اللہ انہ تو عالم الغیب تھے اور نہ وفات کے بعد اپنے امیتیوں کے اعمال کی انہیں کوئی خبر تھی، جبکہ یہ بات ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آپ کے امتی جب گمراہ ہوئے تو آپ ہی کو پکارنا شروع کرو یا اور آپ کی عبادت شروع کر دی۔

تفسیرِ مذکور کی تائید صحیحین کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ کے دوران فرمایا:

”اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کی طرف اٹھائے جاؤ گے، ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون (ختنے کے بغیر اصلی حالت پر)۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۝ وَعْدًا عَلَيْنَا ۝ إِنَّا كُنَّا فَعَلَيْنَ ۝﴾
(الانبیاء: ۱۰۳)

”جیسا کہ ہم نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سن لو! تخلوقات میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم ﷺ کو لباس پہنایا جائے گا، اور یہ بھی جان لو کہ جب میں حوض پر ہوں گا تو میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، پھر انہیں باعثیں جانب ہائک دیا جائے گا، میں کوئی گا کہ اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا تبدیلیاں کی تھیں۔ میں وہی کوئی گا

(۱۳۱) تفسیر جامع البیان ۵/۱۲۹۔ اختصار کی غرض سے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جونیک بندے (عَسْلِیٰ عَلِیٰ اللّٰہُ) نے کماٹا کر

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۝ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ ۝ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنَّمَا تَعْذِيْهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ ۝ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (المائدۃ: ۷۶-۸۱)

”میں ان پر مگر ان رہ جب تک میں ان میں موجود تھا، پھر جب تو نے مجھے واپس بلا لیا تو پھر تو ہی ان پر مگر ان تھا، اور تو تو ساری چیزوں پر شاہد ہے۔ اگر تو ان میں سزادے توهہ تیرے بندے ہی ہیں اور اگر تو ان میں معاف کردے تو بلاشبہ تو غالب اور دانا ہے۔“

پھر مجھ سے کما جائے گا جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں یہ لوگ برابر (دین سے) پیچھے ہی ہٹنے گے ہیں۔“ (۳۲)

اس لمبی حدیث میں بہت سے فوائد اور عبر تھیں بیان ہوئی ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں :

① یوم حشر جب ساری دنیا کے لوگ بہنہ اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس سے نوازے گا (پھر اپنے حبیب طیبیل کو جفتی جوڑے میں ملبوس فرمائے گا)۔ (فتح الباری، ۱/۳۸۳)

② بعض اعراب، جن کے دل میں ایمان جان گزیں نہیں ہوا تھا، وہ وفاتِ نبوی کے بعد اپنے دین پر قائم نہ رہے۔ واضح رہے کہ ان میں کوئی ایسا صحابی یقیناً تھا جو عرصہ تک آپ طیبیل کی صحبت سے فیض یا برباد ہو۔

③ جس طرح حضرت عَسْلِیٰ عَلِیٰ اللّٰہُ کے مانے والوں نے دینِ صحیح میں رو و بدل کیا

(۳۲) مسند احمد ج ۲، ص ۳۵۱۔ صحيح البخاری: ۳۴۴۵، التفسیر۔

صحيح مسلم: ۲۸۶۰، الحنة وصفة نعيمها۔

تحاہی طرح اُمّتِ محمدیہ کے بعض لوگ بھی اس راہ پر چلیں گے۔

۲ اللہ کے سوا کسی کو معبود ماننے کا یہ معنی قطعاً نہیں ہے کہ وہ صرف پھر وہ اور لکڑیوں کی مورتیاں ہی ہوں، بلکہ اگر کسی نبی و ولی یا کسی کے لئے بھی وہی اعمال کئے گئے جو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو یہ معبود ان باطل کی عبادت شمار ہوگی۔

۵ دین میں رذوبدل کرنے والوں کی سزا جہنم سے پہلے میدانِ حشر میں یہ ہوگی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک سے حوضِ کوثر کا پایالہ نہ لے سکیں گے۔

۶ ہر نبی اپنے اُمّتیوں کے انہی اعمال سے باخبر ہوتا ہے جو اُس کی زندگی میں اور اس کے سامنے پیش آئیں۔ وفات کے بعد اُمّت کے حالات نبی سے مخفی رہتے ہیں،^(۳۳) لیا یہ کہ اللہ کسی چیز کو ان پر ظاہر کرنا چاہے تو یہ قدرتِ الٰہی سے بعید نہیں ہے، جیسے اُمّتِ محمدیہ کا درود وسلام آپ ﷺ پر پیش ہوتا ہے۔

۷ پھر جب انبیاء ﷺ اپنے اُمّتیوں کے اعمال پر مطلع نہیں ہو سکتے تو عام مشائخ یا ائمہ یا مرشدوں کا اپنے پیروکاروں کے اعمال سے واقف ہونا تو بہت ذور کی بات ہے۔

۸ بعض بزرگوں اور ولیوں کے بہت سے قصتے جو زبانِ زدِ خاص و عام ہیں ان کی حقیقت قصتے کمانیوں سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ آیات و احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وفات کے بعد میت کا سلسلہ اس دنیا کے اخبار و حالات سے منقطع ہو جاتا ہے، خواہ وہ میت انبیاء و رسول ہوں، اولیاء و شہداء یا عام لوگ۔ البتہ عالمِ برزخ میں ان کے فرق مراتب اپنی جگہ مسلم ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمْ!

۳۳) ہمارے بعض بھائیوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض احادیث میں صراحت ۔

حقیقت و سیلہ

و سیلہ کا معنی :

و سیلہ خاص عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ”وس ل“ ہے، جس کا معنی عربی زبان میں ”برضادر غبت کسی کا قرب حاصل کرنا“ مذکور ہے۔ (۳۴)

و سیلہ کا یہ معنی شرعی اصطلاح کے بست قریب ہے، یعنی ”وہ نیک اعمال جن کے ذریعے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔“

اردو زبان میں بھی قریب قریب یہی معنی مراد لیا جاتا ہے، بلکہ عام استعمال میں صرف سبب اور ذریعہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

لکھی تاریخ امیر اس لغت کے مجموعے کی میں نے

جو صفحہ ہے وہ اک سچا و سیلہ ہے شفاعت کا! (۳۵)

لیکن عوام کے ہاں لفظ و سیلہ بست ہی محدود معنی میں مستعمل ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

→ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ اور اقارب پر اعمال کے پیش کرنے کا ذکر ہے، لیکن حق یہ ہے کہ وہ تمام حدیثیں ضعیف اور موضوع ہیں جن سے کسی عقیدے کے مسئلے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ان احادیث کو علامہ البالی کی سلسلہ احادیث ضعیفہ مجلہ ثانی و ثالث میں دیکھا جاسکتا ہے۔ نیز دیکھئے الدعاء و منزلته من العقيدة ج ۲ ص ۵۹۔ ۸۰۔

(۳۴) دیکھئے معجم مقابیس اللغو ۱۰/۶۔ مفردات القرآن للراگب ص ۵۲۲۔

الكليات لابي البقاء ص ۷۷۔ مشور لغوی امام ابو منصور الازہری فرماتے ہیں کہ امام لغت الایش نے کہا: ”جب کسی نے کوئی اچھا اور نیک کام کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا تو لغت کے اعتبار سے کہا جائے گا کہ: ارسل فلاں الی ربه الوسیلۃ“ فلاں نے اپنے رب کے ہاں قربت کا ذریعہ پہنچا ہے۔ نیز دیکھئے: المصباح مادہ: ”وس ل“ و دیگر کتب لغات۔

(۳۵) نور اللغات ج ۲ ص ۱۶۱۳

قرآن و حدیث میں وسیلہ کا مفہوم اور اس کی فتمیں :

قرآن حکیم میں دو جگہ لفظ وسیلہ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ

وَجَاهَهُدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (السائدۃ: ۳۵)

”مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جماد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔“

اممہ تفسیر کے نزدیک لفظ وسیلہ کی تعریف :

”عمل طاعات اور اجتناب محبتات کے ذریعے قریب الہی کا حصول وسیلہ کھلاتا ہے۔“ ان ائمہ میں ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھری اور مجاهد وغیرہم کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، حتیٰ کہ حضرت قادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

أَئِ تَقْرِبُوا إِلَيْهِ بِطَاعَتِهِ وَالْعَمَلِ بِمَا يَرِضُهِ

”اطاعت الہی اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔“ (۳۶)

حافظ ابن کثیر ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان ائمہ نے وسیلہ کی جو تفسیریات کی ہے اس میں علمائے تفسیر میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (۳۷)

(۳۶) تفسیر الصبری ج ۲، ص ۵۶۷۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۷۳۔

تفسیر الذرائع المنشورة، ج ۲، ص ۱۸۷ وغیرہ مامن کتب التفسیر۔

(۳۷) تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۷۳۔ امام ابو جعفر طبری نے بھی اسی معنی پر اعتماد کیا ہے۔ ج ۲، ص ۵۶۶۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

أَوْلَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَنْبَغِيُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةُ أَيْمَهُمْ
أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَةَ رَبِّهِمْ وَيَعْلَمُونَ عَذَابَ رَبِّهِمْ
كَانَ مَحْذُورًا ۝ (الاسراء: ۵۷)

"جنیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زده رہتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔"

اس آیت میں بھی وارد لفظ و سیلہ کا وہی مفہوم ہے جو پچھلی آیت کی تفسیر میں گزرنا ہے۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں الوسیلہ کی تفسیر "القرابة بالطاعة" کے لفظ سے مذکور ہے، یعنی طاعت و فرمان برداری کے ذریعے تقرب حاصل کرنا۔^(۳۸)

علامہ اسماعیل حقیٰ حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وسیلہ کی یہی تفسیر کی ہے :

ای القرابة بالطاعة والعبادة^(۳۹)

(۳۸) تفسیر الجلالین ص ۲۷-۲۳۔ ط مطبع محمد علی صبغ داولادہ، الازهر، مصر

(۳۹) تفسیر روح البیان ج ۵، ص ۷۸۔ اس آیت کے شانِ نزول میں وارد صحیحین کی روایت آیت کے مفہوم کو اور واضح کر دیتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ جنوں کی پوچھ کرتے اور ان کی دہائی دیا کرتے تھے۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد وہ جن تو اسلام لے آئے اور قربِ الہی کی طلب میں رواں دواں رہے، لیکن یہ جاہل انسان پھر بھی انہی جنوں کی عبادات میں مشغول رہے اور ان مجبوروں کے دامن کو بڑھ کر خود پکڑے ہوئے مالکِ حقیقی تک پہنچنے کے مقصدی رہے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۱۴۷، ۳، التفسیر۔ صحیح مسلم: ۳۰۳۰؛ التفسیر - نیز دیکھئے تفسیر الخبری ج ۸، ص ۹۵۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۳۲)

”اطاعت و عبادت کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کرنا۔“

قرآن مجید میں لفظ و سیلہ صرف انی دو مقامات میں وارد ہوا ہے اور دونوں جگہ ایک ہی معنی مراد ہے، یعنی عبادات، تقویٰ، نیکیوں پر عمل اور محرمات و فواحش سے اجتناب کر کے قربِ الٰہی کا حصول۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس پر تمام علماء و مفسرین کااتفاق ہے۔

البته حدیث شریف میں لفظ و سیلہ ایک اور معنی میں استعمال ہوا ہے، جو اگرچہ لغوی معنی سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کے عین مطابق ہے، لیکن استعمالِ قرآنی پر ایک زائد چیز ہے۔ اس و سیلہ کا ذکر آذان کے بعد والی ڈعائیں آیا ہے جس سے مراد مقامِ محمود ہے جو پوری کائنات میں سے صرف سید المرسلین ﷺ کو ملنے والا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِذَا سِمِعْتُمُ الْمُؤْذَنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشَرَةً، ثُمَّ سُلُّوا اللَّهُ لِنِي "الْوَسِيلَةُ" فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَسْبِغُ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِنِي الْوَسِيلَةَ حُلِّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ))^(۳۰)

”جب تم موزن کی آواز سن تو انی الفاظ کو تم بھی دہراو، پھر میرے اوپر درود بھیجو، کیونکہ جو میرے اوپر ایک بار درود بھیجا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد اللہ سے میرے لئے مقام و سیلہ کی ڈعا کرو۔ و سیلہ ایک بلند مقام ہے جو اللہ کے صرف ایک

(۳۰) صحیح مسلم: ۳۸۲۔ الصلاة۔ ابو داؤد: ۵۲۲، الصلاة۔

اند مدنی: ۳۶۱۲، المناقب۔ صحیح سنن النسائي: ۲۵۲، الأذان۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہی بندے کے لئے مناسب ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ تو جس نے میرے لئے وسیلہ کی ذعاکی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔ ”

اس حدیث میں واردو سیلہ قرآن میں واردو سیلہ سے مختلف ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ میں وسیلہ سے غراؤ ہی پلا معنی ہے جس کی حقیقت سمجھنے میں بعض متاخرین نے بست فاش غلطی کی ہے جس کے سبب امت میں اختلافات کا ایک سیلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ ایک مخصوص جماعت کے نزدیک سارے دین کا دار و مدار ہی اس کلے پر ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی کہ اس موضوع کو قدرے تفصیل سے ناظرین کے سامنے رکھا جائے، مخصوصاً جبکہ وسیلہ کی جو صورتیں اس وقت رائج ہیں ان میں سے بعض صورتیں بدعت اور شرکِ اصغر ہیں اور بعض صورتیں شرکِ اکبر اور اسلام کے قطعہ منافی ہیں۔

وسیلہ کی تعریف سے واضح ہے کہ یہ کلمہ اپنے اندر بہت ہی وسیع مفہوم رکھتا ہے، یعنی ایمان باللہ وبالرسول وسیلہ ہے، جملہ عبادات وسیلہ ہیں، تمام اعمالِ خیر و سیلہ ہیں، شرک و کفر اور نفاق سے اجتناب وسیلہ ہے، محرمات و کبائر سے اجتناب وسیلہ ہے۔ غرضیکہ ہر وہ عمل جس کے کرنے یا نہ کرنے سے بندہ قربِ الہی سے شرف یا بُر ہو سکتا ہے اصطلاحِ شرع میں اسے وسیلہ کہا جاتا ہے، لیکن عوام کی اصطلاح میں وسیلہ صرف ایک مخصوص معنی میں محدود ہو کر رہ گیا ہے کہ ”طلبِ مطلوب کے لئے یا کسی مصیبت سے چھکارا پانے کے لئے کسی عظیم ذات کا وسیلہ پکڑا جائے“۔^(۳۱)

(۳۱) کسی عظیم ذات کا وسیلہ لینے کی کیا بھل ہوتی ہے؟ اس کی وضاحت ان اوقاں کی زبانی سخنے جو افراد کے وسیلے کے قائل ہیں۔

”بزرگ یا عظیم ذات کا وسیلہ“ کی تین صورتیں ہوتی ہیں:
• محكم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

چنانچہ ہم اس نکتہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پر کھتے ہیں کہ وسیلہ کب اور کس طرح صحیح اور جائز ہے اور کب اور کس طرح منع ہے۔

وسیلہ کی ضرورت اور اقسام :

انسان، یہ بندہ ضعیف ہر دم و ہر لحظہ رحمتِ الہی کا محتاج رہتا ہے۔ زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس کے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ حدیث قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتَهُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ،
يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ جَانِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتَهُ فَاسْتَطِعْمُونِي
أَطْعَمْكُمْ، يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتَهُ
فَاسْتَكْسُونِي أَكْسِكُمْ)) (۲۲)

”اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو سوائے اُس شخص کے جسے میں بدایت دوں۔ اس لئے تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں بدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو، سوائے

۱) ان بزرگوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے، مثلاً کہا جائے: ”اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی کے واسطے سے مانگا ہوں۔“

۲) کسی بزرگ سے سفارش طلب کی جائے کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ آدمی کا فلاں کام ہو جائے، خواہ وہ بزرگ مردہ ہوں یا یا نہ۔

۳) خود اسی بزرگ سے مانگا جائے اور نیت یہ رہے کہ یہ بزرگ اللہ سے میرا یہ کام کروادیں گے۔ ویکھیے فرقان القرآن لسلامۃ بن ہندی العزامی ص ۷۷۱
۱۲۲۔ تقلیل عن کتاب الدُّعاء و متزلّته من العقيدة ج ۲ ص ۶۳۰۔

(۲۲) صحیح مسلم: ۲۵۷۔ البر والصلة۔ مسنند احمد ج ۵، ص ۱۵۲، ۱۶۰ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ۔

اُس شخص کے جنے میں کھلاوں۔ اس لئے مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھلاوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب نگے ہو، سوائے اس شخص کے جنے میں کپڑا پہناؤں۔ اس لئے مجھ سے کپڑا مانگو، میں تمہیں کپڑا پہناؤں گا۔“

ان تمام ضرورتوں کے علاوہ اس مجبور و ضعیف انسان کی زندگی میں متعدد بار ایسی خطرناک گھانیاں آتی ہیں جنہیں پار کرنے کے لئے وہ عرشِ عظیم کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور دعا و استغفار کے ذریعے عرشِ عظیم کے مالک کا دامن کپڑا کر اس گھانی کو پار کرنا چاہتا ہے۔ اور یقیناً اللہ وحدہ لا شریک له کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو ایسے مشکل وقت میں اس عاجز بندے کے کام آسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ الشَّوَّاءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۝ إِلَهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ ﴾ (الثَّالِمَ : ۶۲)

”کون ہے جو بے کس کی پکار کو، جب وہ پکارے، قبول کر کے سختی کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا غلیظہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبدوں ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔“

مفہوم واضح ہے کہ مضطرب لا چار کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے بے وہ شدائد و مصائب کے وقت پکارے اور مصیبتوں اور پریشانیوں کے وقت اس سے امیدیں دا بستہ رکھے۔ ایسی ذات تو صرف قادرِ مطلق ہی کی ہے۔

اسی لئے اللہ کے نیک بندے، انبیاء و رسول، اولیاء و صلحاء، صدّیقین و شدائد ہر چھوٹی بڑی مصیبتوں و ضرورت کے وقت صرف اور صرف اسی ذات با برکات کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہیں اور یہ بات ان کی سیرتوں کا مطلع ہے۔

والے حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر اس توجہ اور ذعاکے کچھ آداب ہیں جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کو سکھلایا ہے جن کے اہتمام سے ذعاکی قبولیت کی پوری امید ہوتی ہے۔ انہی آداب میں سے ایک ادب و سیلہ کا ہے۔ باقی آداب و شرائط اس موضوع پر تصنیف شدہ کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بد قسمتی سے جماں و دسرے اعمال و عبادات کی شرعی حیثیت و کیفیت اور ان کے مفہومات عام لوگوں کے نزدیک بدل گئے ہیں اسی طرح و سیلہ کا صحیح مفہوم و صحیح طریقہ بالکل مفقود ہو کر رہ گیا ہے، اور تم بالائے تم اس کی جگہ و سیلے کے متعدد بد عی اور مشرکانہ طریقے رواج پاچکے ہیں۔^(۲۳) لہذا ضروری ہے کہ پہلے شروع و سائل کا ذکر کیا جائے، اس کے بعد بد عی و سائل پر روشنی ڈالی جائے۔ اس طرح و سیلہ کی دو قسمیں ہیں :

① شرعاً ثابت و سیلہ ② و سیلے کے ناجائز طریقے

(۲۳) ایسے ہی حالات سے متعلق صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود بن ثور کا اپنے ساتھیوں سے ارشاد ہے :

کیف بکم اذا بستکم الفتنة يربو فيها الصغير وبهرم فيها الكبير وتتحذ
سنة فان غيرة يوم ما قيل : هذا منكر' قيل ومنشى ذلك؟ قال : اذا قلت
اما ذرأكم وكثرت امراؤكم وقلت فقهاؤكم وكثرت فراؤكم وتفقهه
غير الدين والتمسنت الدنيا بعمل الآخرة (معنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۳۵۲ - متدرب الحاكم ج ۲ ص ۵۱۳ - مسند الدارمي : ۱۸۵ ج ۱ ص ۳۵ - ۳۶)
”اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہو گی جب قند تمر پر چھا جائے گا۔ اسی فتنے میں بچے کی نشوونما ہو گی،
برائی میں بوڑھا ہو جائے گا۔ لوگ اسے سنت سمجھیں گے اگر اسے بدلا گیا تو کہیں گے کہ سنت
ترک کر دی گئی۔ پوچھا گیا: ایسا کب ہو گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جب لیذر تو زیادہ ہوں گے
لیکن امانت دار کم پڑھنے والے تو زیادہ ہوں گے لیکن سمجھ دار کم۔ اور بے دینی کی چیزوں کی ۔

شرع اثابت و سیلہ

علمائے اہل ثقہ نے قرآن و حدیث پر گھری نظر رکھ کر مشروع و سیلہ کی متعدد صورتیں^(۲۲) بیان فرمائی ہیں جنہیں درج ذیل تین قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

﴿سبھ حاصل کی جائے گی۔ عمل آخرت کے ذریعے لوگ دنیا حاصل کریں گے۔﴾

(۲۳) فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "التوسل" میں و سیلہ کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس کی دو قسمیں ہیں:

① عبادات، جن سے اللہ کی رضا مندی اور حصول جنت مقصود ہو۔ جیسے رمضان المبارک کے روزے رکھنا، لیلۃ القدر کا قیام وغیرہ امور عبادیہ جن کے ذریعے بندے اپنے گناہوں کی مغفرت اور جنم سے نجات کے طالب ہوتے ہیں۔ (قرآن مجید میں مذکورہ لفظ و سیلہ کا یہی مفہوم ہے۔)

② وہ و سیلہ جو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنے۔ پھر اس دو سری قسم کی علماء موصوف نے چھ صورتیں بتائی ہیں:

ا) اللہ کے پیارے پیارے ناموں کا و سیلہ، خواہ کسی خاص نام کا و سیلہ لیا جائے یا جملہ ناموں کا و سیلہ۔

ب) اللہ کی صفات کا و سیلہ، خواہ عمومی طور پر ہو یا خصوصی طور پر۔

ج) اللہ تعالیٰ پر ایمان کا و سیلہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا و سیلہ۔

د) دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مسکن اور خستہ حالی کو دنیلہ بنائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَبِقِيرٍ﴾ (القصص ۲۲)

ه) کسی ایسی ذات کی دعا کا و سیلہ جس کی دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہو۔

و) اعمال صالحہ کا و سیلہ (دیکھئے مجموع فتاویٰ و رسائل الشیخ ج ۵، ص ۲۷۹ و بعد حا)

❶ پہلی صورت: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ

جن وسیلوں کا ثبوت قرآن و حدیث سے ملتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں اور پاک صفتؤں کا وسیلہ سرفہرت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الظَّالِمِينَ
يَلْهُدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥﴾

(الاعراف: ۱۸۰)

”اور اللہ تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہیں، انہی ناموں سے اسے پکارو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دوجوں کے ناموں میں کچھ روی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں ان کی کچھ روی کی سزا مل کر رہے گی۔“

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

(الْأَطْفَوْا بِإِذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ) (۲۵)

”یا ز الجلال والا کرام“ سے چھٹے رہو۔“

یعنی اپنی دعاویں میں کثرت سے اس کا استعمال کرو۔

یہ بات معلوم خاص و عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بست سارے پیارے پیارے نام اور اچھی اچھی صفات ہیں جن میں اس کی مختلف خوبیوں کا بیان ہے۔ بعض اس کی رحمت کو بیان کر رہی ہیں، بعض سے اس کی شان غفاریت ظاہر ہوتی ہے اور بعض میں اس کی رزاقیت کا ذکر ہے اور بعض اس کی شان قماریت کو ظاہر کرتی ہیں۔ الی آخرہ

(۲۵) سنن الترمذی: ۳۵۲۳، المدعوات، باب ۹۲ عن انس۔ و مسنند احمد، ج ۲، ص ۱۷۷۔ الحاکم ج ۱، ص ۳۵۸، ۳۵۹ عن ربیعة بن عامر۔

انظر سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱۵۲۶

اس لئے بندے کو جس قسم کی ضرورت درپیش ہوا اللہ تعالیٰ کو اس کے مناسب حال صفت سے یاد کرے، جیسے اے اللہ! تو رحمٰن و رحیم ہے، لہذا ہمارے اوپر رحم فرماء! اے اللہ! تو رزاق ہے، ہر کس و ناکس اور چند و پرند کو روزی دیتا ہے، میری روزی میں بھی کشاوگی فرمائے اور برکت دے! اے اللہ! تو غفور و غفار ہے، اپنے اس گناہ گار بندے کو معاف فرمادے! اے اللہ! تو ہر نیک و بد کی ذمہ انتہا ہے، اس مسکین کی ذمہ اکون لے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس سلیمانی کے اس قدر دلائل موجود ہیں کہ اگر ان کا احاطہ کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔ علی سبیل الشال صرف چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے :

امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اللہ کے حضور اپنے لئے، اپنی آل اولاد، اپنے والدین، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے دست بدعا ہوتے ہیں تو یہ انداز اختیار فرماتے ہیں :

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۖ وَمَا يَخْفِي عَلَى اللَّهِ
مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاوَاتِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
وَهَبَ لِنَا عَلَى الْكِبِيرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۝ إِنَّ رَبَّنِي لَسَمِيعٌ
الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي فَبِإِنْزَالِ
وَتَقْبِيلِ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِنِي وَلِوَالِدَيَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ
يَقْوُمُ الْحِسَابُ ۝﴾ (ابراهیم: ۳۸ - ۴۱)

”اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں، اور زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بے شک میرا رب دعاؤں کا شفیع والا ہے۔ اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ

اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرم۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے، میرے ماں باپ کو بھی بخش دے اور دیگر مومنوں کو بھی بخش دے جس دن حساب ہونے لگے۔ ”
غور کریں، امام الحنفاء علیہ السلام کی اس دعائیں دعا کے متعدد آداب آگئے ہیں:

- ① اللہ کی قادرست کاملہ کا اعتراف
- ② اس کی حمد و شکایات کا بیان
- ③ اصل مدعا سے قبل اس کے مجیب الدعوات ہونے کا اعتراف
- ④ اس سے قبل بھی دعا کی اجاہت و قبولیت کا ثبوت
- ⑤ آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی درخواست پیش کرتے ہیں کہ ”زبِ اغْفِرْ لِي وَلِوَالدَّيْ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُولُ الْحِسَابُ“

قرآن مجید سے صرف ایک مثال پیش کی گئی ہے۔ اہل علم پر اس قسم کی دوسری مثالیں پوشیدہ نہیں ہیں۔ اسی کے ساتھ جب ہم کتب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسی بے شمار مثالیں پاتے ہیں۔ ذیل میں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہوئے ناظرین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان دعاؤں کو حرز جان بنائیں گے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

- ① ((اللَّهُمَّ يَعْلَمُكَ الْغَيْبُ وَقُدْرَتُكَ عَلَى الْحَقِّ أَحْبِبْنَا مَا عَلِمْتَ
الْحَيَاةَ خَيْرًا لِنَا وَتَوَفَّنَا إِذَا أَعْلَمْتَ الْمُوْفَاتَ خَيْرًا لِنَا))^(۳۶)
- ”اے اللہ! تیرے علم غیب اور حق پر قادرست کاواسط ہے کہ جب تک تیرے علم میں زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور جب تیرے علم میں موت میرے لئے بہتر ہو تو مجھے وفات دے دے۔“

(۳۶) سنن النسائي، ج ۲، ص ۵۲۔ مستدرک الحاکم، ج ۱، ص ۵۲۲۔
صحیح ابن حبان [۱۹۷۴] الاحسان] عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

بس اوقات انسان پر ایسی گھڑیاں آتی ہیں کہ وہ زندگی و موت میں سے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ کمزور ایمان کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ لیکن چونکہ مستقبل کا علم صرف اللہ کو ہے کہ بندے کے حق میں زندگی بہتر ہے یا موت، اس لئے ایک مؤمن کے لئے ایسے موقع پر یہی طریقہ صحیح ہے کہ اللہ کی غیب دانی اور قدرت کاملہ کے ویلے سے اپنے لئے اچھی اور بہتر چیز کا سوال کرے۔ مذکورہ ذمہ دار میں اس چیز کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۱) ((مَا أَصَابَ أَهْدًا قَظَّ هُمْ وَلَا حُزْنٌ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمْتَكَ، نَاصِيَتِنِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِي حُكْمِكَ، عَدْلٌ فِي قَضَاءِكَ، أَسأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمِّيَّتِ بِهِ نَفْسِكَ، أَوْ عَلَمْتَهُ أَهْدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابٍ، أَوْ اسْتَأْتَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عَنْكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْكَرِيمَ رَبِيعَ قَلْبِي وَنُورَ صَدْرِي وَجِلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ هَمَّهُ وَغَمَّهُ وَحُزْنَهُ وَأَبَدَّهُ مَكَانَهُ فَرَجَّا - قَالَ : فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَعْلَمُهَا؟ فَقَالَ : بَلِّي، يَتَبَغِي لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَتَعَلَّمَهَا)) (۲۷)

”جب کبھی کسی بندے کو فکر و پریشانی لاحق ہوئی، پھر اس نے کہا اللہم اتنی عبْدُک... آخر تک تو اللہ تعالیٰ اس کی فکر، پریشانی اور غمتوں کو ذور کر کے اس کی جگہ اسے کشادگی عطا فرمائے گا۔“

آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم اس ذمہ دار کو سیکھنا نہ لیں؟ آپ نے فرمایا: ”جو کوئی اس ذمہ

(۲۷) مسند احمد ج ۱، ص ۳۹۱۔ مستدرک الحاکم ج ۱، ص ۵۰۹۔
صحیح ابن حبان [۱۹۷۶] الاحسان [۱۹۷۶] عن عبد الله بن مسعود۔

کونے اسے یہ سیکھ لئی چاہیے۔“

مذکورہ ذعاکا ترجمہ: ”اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں‘ تیرے بندے کا بیٹا ہوں‘ تیری ایک بندی کا بیٹا ہوں‘ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے‘ میرے بارے میں تیرا حکم لا گو ہو کر رہے گا‘ میرے بارے میں تیر افضلہ عین انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے دلیلے سے تجھ سے استدعا کرتا ہوں جس سے آپ نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے‘ یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے‘ یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے‘ یا کہ اسے اپنے پاس علم غیب میں محفوظ رکھا ہے‘ کہ قرآن کریم کو میرے دل کی بھار بنا دے‘ میرے دل کا نور بنا دے‘ میرے غنوں کو (اس کی برکت سے) دور کر دے اور میری پریشانیوں کو اس کے ذریعے فتح کر دے!“

مذکورہ ذعاکے اندر بھی بندے کی کیفیات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور عمومی طور پر اسماے حسنی کا وسیلہ لیا گیا ہے۔

② استخارہ کی وعا: حضرت جابر بن عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر کام میں ہمیں استخارہ^(۲۸) کی تعلیم اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ اور آپ ﷺ فرماتے تھے:

((إِذَا هُمْ أَحْدَثُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكِعُوا كَعْنَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفُرِيضَةِ))

(۲۸) استخارہ کا معنی ہے خیر طلب کرنا، یعنی اللہ سے اس معاملہ میں خیر کا طلب کار ہونا۔ اس دعا اور نماز کے لئے یہ شرط ہے کہ ”استخارہ مباح کاموں کے لئے کرنا چاہیے“ امور واجبہ یا محمرہ میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ جو کام انسان پر واجب ہیں ان میں خیر طلب کرنے کی ضرورت نہیں، وہ خیری خیریں، اور جس کام کے چھوڑنے کا حکم ہے اس میں خیر کا پہلو نہیں ہوتا۔ لہذا اس میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔“ بدقتی سے یہ نہت آج مجبور ہو چکی ہے۔ عوام تو عوام اہل علم حضرات بھی اس سے نا آشنا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے خصوصی طور پر اس کا ذکر بس کیا گیا ہے۔

ثُمَّ يَقُولُ : اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ
بِقُدرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا
أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَإِنَّكَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ
تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرُ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي
— أَوْ قَالَ فِي عَاجِلٍ أَمْرِي وَآجِلِهِ — فَاقْدِرْهُ لِي، وَإِنِّي
كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرُ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ
أَمْرِي — أَوْ قَالَ : عَاجِلٌ أَمْرِي وَآجِلُهُ — فَاصْرِفْهُ عَنِّي
وَاصْبِرْ فِيْنِي عَنْهُ، وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِبْنِيْ بِهِ۔
(۳۹) وَيُسَمِّي حاجَتَهُ

”جب کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نفل نماز پر یہ اور
یہ دعا کرے۔ (دعایا ترجمہ)

”اے اللہ! میں تیرے علم کی مدد سے خیر کا طالب ہوں اور تیری قدرت
کے ذریعے طاقت کا طالب ہوں، اور تجوہ سے تیرے فضل عظیم کا سوال
کرتا ہوں، کیونکہ قدرت تیرے پاس ہے، میرے پاس نہیں۔ تو جانتا
ہے، میں نہیں جانتا۔ تو غیب وان ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ
کام (جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہے اس کا نام لے یا نیت کر لے)
میرے لئے دین و دنیا اور انجام کار میں بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر
فرمادے اور اسے میرے لئے آسان کر دے، اور پھر اس میں میرے
لئے برکت دے دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین و
دنیا اور انجام کار میں برا ہے تو اس کو مجھ سے ذور کر دے اور مجھے اس

(۳۹) صحيح البخاری: ۶۳۸۲، الدعوات - سنن ابو داؤد: ۱۵۳۸
الصلوة - سنن الترمذى: ۳۸۰، الصلاة - سنن النسائي ج ۱ ص ۸۱/۸۰

سے ذور کر دے، اور خیر جہاں کمیں بھی ہو میرے لئے مقدر کر دے اور اس پر مجھے راضی کر دے...”

بس اوقات بندہ ایسا کام کرتا چاہتا ہے جس کا مستقبل میں انجام اس پر واضح نہیں ہوتا کہ پیش آمدہ معاملے پر عمل درآمد میرے لئے بہتر ہے یا اس سے بچنا بہتر ہے۔ اس لئے بندہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ماضی و مستقبل کے عالم علام الغیوب والشهادة کی طرف رجوع کرے اور اسی سے انجام خیر کا طالب ہو۔ یہی چیز اصطلاح شرع میں استخارہ کہلاتی ہے جس کا طریقہ مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اور اس حدیث میں بندہ اللہ کی قدرت کاملہ اور علم غیب کے واسطے سے پیش آمدہ معاملہ میں خیر کا طالب ہوتا ہے۔

(۲) خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رض فرماتے ہیں کہ ایک بار میں خدمتِ نبوی میں حاضر تھا اور کچھ ہی ذور ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، جو رکوع و سجود اور تشدید سے فارغ ہوا تو عذرا کرنے لگا، وہ اپنی دعائیں کہ رہا تھا :

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَانُ
بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْأَكْرَامِ يَا حَسِيْبَ يَا
قَيْوُمَ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ (۵۰)

اس کی یہ دعا سن کر بی اکرم رض نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو کہ اس نے کس واسطے سے مانگا ہے؟ صحابہ رض نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ رض نے ارشاد فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبیٹے میں میری جان ہے، اس نے اللہ کے اس عظیم نام کا وسیلہ دے کر

(۵۰) سنن النسائي ۵۲ / ۲ - سنن ابو داؤد : ۱۳۹۵، المصلحة، باب الدعاء۔
سنن ابن ماجہ : ۳۸۵۸، الدعاء۔ مستدرک الحاکم ج ۱، ص ۵۰۳۔ دعا کے آخری الفاظ مستدرک حاکم کے ہیں اور باقی الفاظ سنن النسائي کے ہیں۔

ذعاکی ہے کہ جب اس نام کے وسیلے سے ذعاکی جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور سوال کیا جائے تو وہ ضرور دیتا ہے۔ ”ذعاکا ترجمہ :

”اے اللہ! میں تھے سے اپنی حاجت مانگتا ہوں اس وسیلے سے کہ ساری تعریف تیرے ہی لئے زیبا ہے، تیرے سوا کوئی معبد نہیں، توبہت احسان کرنے والا ہے، آسمان وزمین کو ایک نرالے انداز سے پیدا کرنے والا ہے۔ اے عزت و جلال والے! اے حیی ذات اور ہر چیز کو قائم رکھنے والے! میں آپ سے جنت کا سوالی ہوں اور جنم سے پناہ چاہتا ہوں۔“

اس مختصر مگر بہت ہی پیاری ذعاک کے اندر اللہ تعالیٰ کے متعدد ناموں اور صفتون کے وسیلے سے اپنا مطلوب طلب کیا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس نے اللہ کے اس اسمِ اعظم کا وسیلہ لیا ہے کہ جب اس نام کے وسیلے سے مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔“

اس قسم کی اور بھی بہت ساری دعائیں ہیں جنہیں بغرض اختصار چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب وسیلہ مشروعد کی دوسری صورت سے متعلق چند باتیں کرتے ہیں۔

❷ دوسری صورت: اعمال صالحہ کا وسیلہ

جو عمل جس قدر خلوص کے ساتھ کیا جائے اللہ کو اسی قدر محظوظ ہو گا اور جس نسبت سے اخلاص کی کمی ہوگی اسی اعتبار سے قویست اللہ سے محروم ہو گا، حتیٰ کہ جو کام دُنیوی مفاؤ، برادری کی عصیت، نام و نمودیا کسی دوسری غرض سے کیا جائے تو وہ بظاہر نیک ہونے کے باوجود عند اللہ ناقابل معافی جرم شمار ہو گا۔ اسی لئے مومن سے ہر نیک کام پر صرف اور صرف ”مُخْلِصُّينَ لِهِ الدِّينِ خَنَفَاءَ لِلَّهِ“ کا مطالبہ ہے جس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی ہوتا ہے۔

حضرت ابو امامہ بنی خود فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو مالِ غنیمت اور نام و نمود کے لئے جہاد کرتا ہے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَا شَنِيْءَ لَهُ“ (اے کچھ نہ ملے گا) ساکل نے یہی سوال تین بار دہرا�ا اور آپ ﷺ ہر بار یہی جواب دیتے رہے ”لَا شَنِيْءَ لَهُ“ (اے کچھ نہ ملے گا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا :

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتَغَى بِهِ

وَجْهَهُ)) (۵۱)

”اللَّهُ تَبارُكُ وَتَعَالَى صِرْفُهُ وَعَمَلٌ قَبُولٌ كُرْتَابٌ هُوَ جُو خالصتاً اسی کے لئے کیا گیا ہو اور اس عمل کے ذریعے اس کی مرضی مطلوب ہو۔“

اخلاص کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی ساری نعمتوں کے باوجود یہ دنیا صاحبِ شرع کے نزدیک ملعون اور بے وقت ہے، بجز اس چیز کے جسے رضاۓ اللہی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ حضرت ابوالدرداء بنی خود فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((الَّذِيْنَا مَلْعُونَهُ وَمَلْعُونُ مَا فِيهَا، إِلَّا مَا ابْتَغَى بِهِ وَجْهَهُ

اللَّهُ)) (۵۲)

”دنیا خود ملعون ہے، اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب ملعون ہے، سو اے اس چیز کے جس کے ذریعے رضاۓ اللہی حاصل کی جائے۔“

اسی لئے ہر مومن کو چاہئے کہ اس کے پاس ایسے اعمال کا کچھ نہ کچھ خزانہ ضرور ہو جس میں شرکت غیر کا کوئی شابہ نہ ہو، پھر جس کے خزانہ میں جتنا زیادہ

(۵۱) سنن النسائي ج ۲، ص ۲۵۔ ویکھیے سلسلة الأحاديث الصحيحة : ۵۲

(۵۲) معجم الطبراني الكبير [مجمع التروائد ج ۱۰، ص ۲۲۲] ویکھیے صحيح الترغيب : ۷، ج ۱، ص ۶

ایسا عمل ہو گا وہ اللہ کا اتنا ہی زیادہ مقرب ہو گا اور جو اللہ کا مقرب ہو گا تو اس سے متعلق حدیث قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے :

((وَلَيْسُ سَالَنِي لَا عَطِيشَةُ وَلَيْسُ اسْتَعَاذَنِي لَا عِينَدَنَّهُ)) (۵۲)

”اگر وہ مجھ سے سوال کر لے تو میں لازماً اس کا سوال پورا کروں گا اور اگر میری بناہ میں آنا چاہے تو میں لازماً اسے بناہ دوں گا۔“

اس تہمید کا مقصد یہ ہے کہ بندے نے اگر کوئی نیک عمل صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے کیا ہے اور وقت ضرورت اس عمل خالص کا وسیلہ لے کر اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ اس کی ڈعا ضرور قبول فرماتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیح میں اس وسیلہ کا ذکر کہ اس کثرت سے ہے کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہے۔ صرف دو مثالیں برائے غور حاضر ہیں :

قرآن حکیم سے مثال:

ایمان بالله اور اتباع رسول تمام اعمال کی روح ہے، ان کے بغیر بندے کا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اپنے نیک عمل کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور متqi بندوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ :

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۱۶)

”جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، اس لئے ہمارے گناہ معاف فرماؤ رہیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

(۵۲) صحيح البخاري: ۶۵۰۲، المراقق، باب ۳۸، برداشت ابو ہریرہ بن بترا۔
دیکھے الصحیحة للالبانی: ۱۶۲۰

یعنی یہ لوگ اپنے گناہوں کی مغفرت اور عذابِ الیم سے نجات کی خاطر ایمان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿رَبَّنَا أَنْتَ بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّهِيدِينَ﴾ (آل عمران: ۵۳)

”اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لے آئے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، اس لئے تو ہمارا نام گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔“

ای طرح متعدد آیات میں اعمالِ صالحہ سے وسیلہ لینے کا ذکر موجود ہے۔ (۵۳)

احادیث نبویہ سے مثال:

احادیث شریفہ میں بھی اس وسیلہ کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔ دو مثالیں پیش خدمت ہیں، جس سے صورت مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گی :

① جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کو لے کر اپنی قوم کو خیر باد کہ کر ارضِ مقدسہ کی طرف چلے تو اسے میں آپ کا گزر ایک ظالم و فاجر بادشاہ پر سے ہوا، اور جب اس بادشاہ کو معلوم ہوا کہ ہماری حدود میں ایک بست ہی خوبصورت عورت داخل ہوئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا بھیجا اور حضرت سارہ سے متعلق سوال کیا۔ جواب میں خلیل الرحمن علیہ السلام نے تو ریہ سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہماری بہن ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سارہ کو اپنے پاس بھیجنے کا کہا، جب یہ پاک بی بی اس ظالم کے پاس پہنچی اور ظالم نے

(۵۳) علی سہیل المثال دیکھئے آل عمران: ۲۷، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴ وغیرہ۔ تفصیل مزید کے لئے دیکھئے التوصل الى حقیقت التوصل۔

ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہتا تو آپ باوضو ہو کر نماز پڑھنے لگیں اور پھر یوں دست بدعا ہوئیں :

((اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي أَمْنَثُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَأَخْصَنْتُ فِرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي فَلَا تُسْلِطْ عَلَيَّ الْكَافِرُ)) (الحدیث)
”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تمھر پر ایمان لائی ہوں اور تمیرے رسول پر بھی ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے علاوہ شرم گاہ کی حفاظت کی ہے، پس تو مجھے اس ظالم سے نجات دے دے۔“

آپ ابھی اپنی ڈعا سے فارغ بھی نہیں ہوئی تھیں کہ اس ظالم پر مرگی اور اتشنج جیسی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ سے اپنی نجات کیلئے ڈعا کی اتجاہ کرنے لگا۔^(۱۵۵)
یہ حدیث زیر غور مسئلہ پر واضح دلیل ہے کہ اس پاک بی بی نے ایک ظالم و فاجر سے نجات کے لئے اپنے بعض نیک اعمال کا وسیلہ لیا، یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور عفت و پاک بازی، جس پر اللہ نے ان کی ڈعا قبول فرمائی۔

② دوسری حدیث حدیث غار کے نام سے مشہور ہے جو اپنے اندر متعدد عبرتیں لئے ہوئے ہے۔ اس لیے اس کا مکمل ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے :
”تم سے پہلی قوموں کے تین آدمی ایک سفر پر نکلے، رات گزارنے کے لئے ایک غار میں داخل ہوئے، اتنے میں پہاڑ سے ایک بڑی چٹان لاٹھی اور ان پر غار کے دہانے کو بند کر دیا، جب نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ اس چٹان سے تمہیں کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی، سوائے اس کے کہ تم لوگ اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو۔

(۱۵۵) مسند احمد ج ۲، ص ۳۰۳، ۳۰۴۔ صحیح البخاری: ۲۲۱۷، النبی ع عن ابی هریرۃ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ج ۲، ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

پہلا شخص بولا: اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے اور میں ان سے پہلے اہل و عیال میں سے کسی کو بھی شام کو دودھ نہیں پلاتا تھا، (ایک بار ایسا ہوا کہ) درخت کی تلاش مجھے بست ذور لے گئی، پھر جب میں ان کے پاس واپس لوٹا تو وہ سوچ کر تھے۔ ہم نے ان کے لئے شام کا دودھ نکالا لیکن انہیں سوتا ہوا پایا، انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا اور نہ میں نے ان سے پہلے اہل و عیال کو دودھ پلانا گوارا کیا۔ ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں اپنے ہاتھ میں پالہ لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی (ایک روایت کے مطابق: میرے پاؤں کے پاس میرے بچے بلبل رہے تھے)، پھر جب والدین صبح کو بیدار ہوئے تو اپنے حصے کا دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیری رضاکے لئے کیا ہے تو اس چنان کی وجہ سے ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے ہمیں نجات دے دے، (اس ہمارے) چنان تھوڑی سی اپنی جگہ سے ہٹ گئی، البتہ باہر نکلنے کا راستہ نہ بن سکا۔

دوسرा شخص بولا: اے اللہ میری ایک چچا زاد بمن تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی (ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے اتنی زیادہ محبت کرتا تھا جس قدر کوئی مرد کسی عورت سے کر سکتا ہے)، اے میں نے ایک بار اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے بہلانا چاہا لیکن وہ مجھے سے ذور ہی رہی۔ یہاں تک کہ ایک سال تک سالی نے اسے پریشان اور مجبور کر دیا تو وہ میرے پاس آئی، میں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی۔ مجبوراً وہ اس پر راضی ہو گئی۔ حتیٰ کہ جب میں نے اس پر مکمل قدرت حاصل کر لی تو اس نے کہا (ایک روایت میں ہے کہ جب میں اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے اس کی دونوں ہاتھوں کے پنج بینچے گیا تو اس نے کہا) جائز حق کے

بغیر یہ راستہ استعمال کرنا میں تمہارے لئے حلال نہیں کرتی (بعض روایات میں ہے کہ اس لڑکی نے کہا: اللہ سے ڈر و اور مر کو ناجتنم توڑو) اس کے اتنا کہنے پر میں غلط کام سے رک گیا اور اس سے ذور ہو گیا، حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ اور میں نے وہ رقم بھی چھوڑ دی جو اسے دی تھی۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے ہمیں نجات دے دے، تو وہ چنان کچھ اور کھلک گئی، لیکن پھر بھی نکلنے کا راستہ نہ مل سکا۔

تیرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے کچھ مزدوروں کو مزدوری پر رکھا اور سب کو ان کی مزدوری بھی دے دی، البتہ ایک شخص اپنا حق چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کے مال کو کاروبار میں لگایا جس سے بہت سامال بن گیا۔ ایک مدت کے بعد وہ میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے بندے! مجھے میری مزدوری دے دو۔ میں نے اس سے کہا: یہ اونٹ بکری، گائے اور غلام جو تم دیکھ رہے ہو سب تمہارے ہیں۔ اس نے کہا: اللہ کے بندے؟ میرا نداق نہ اڑاؤ (اور مجھے میرا حق دے دو) میں نے اس سے کہا: میں تجھ سے نداق نہیں کر رہا بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ سب تیرے ہی مال کی ترقی و اضافہ ہے) اس نے وہ سارا مال لے لیا اور ہنکا لے گیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیری رضا کیلئے کیا ہے تو ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے ہمیں نجات دے دے۔ اس پر چنان بالکل سرک گئی اور تینوں ساتھی چلتے بنے۔^(۵۶)

(۵۶) صحيح البخاري: ۲۲۴۲۔ الأحارة، باب ۱۲۔ صحيح مسلم: ۲۷۳۳، الرقاق، باب ۲۷۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد بار ملئے جلتے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ جیسے کتاب البيوع، باب ۹۔ کتاب الانبیاء، باب ۵۳۔ کتاب الحرج والمزارعۃ، باب ۱۱۳ اور کتاب الادب، باب ۵۔

یہ حدیث ”عمل صالح کے ذریعے وسیلہ“ پر واضح دلیل ہے کہ ان تینوں نیک بندوں نے اپنے اپنے نیک عمل کا وسیلہ لیا جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا۔ ایسے اعمال کے وسیلے سے اللہ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں۔

اس چیز کو مزید واضح کرنے کے لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم میں یہ باب باندھتے ہیں :

باب قِصَّةِ اصحابِ الْفَارِ الْتَّلَاثَةِ وَالْتَّوْسُّلِ بِصَالِحِ الْأَعْمَالِ^(۵۷)

”تینوں غاروالوں کا تقصہ اور نیک اعمال کے ذریعے وسیلہ لینے کا باب۔“

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ اسْتِحْبَابُ الدُّعَاءِ فِي الْكَرْبِ وَالنَّقْرَبِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِذِكْرِ صَالِحِ الْأَعْمَالِ وَاسْتِجَازِ

^(۵۸) وَعْدَهُ بِسُوَالِهِ

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ مصیبت و پریشانی میں ذعا کرنا مستحب ہے، اسی طرح اپنے اعمال صالح کے وسیلے سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا بھی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت ذعا کا وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی درخواست بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ ایسا وسیلہ ہے کہ عہدِ نبویؐ کے بعد بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ مثلاً :

① کتب تفسیر میں ہے کہ صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۵۷) شرح صحیح مسلم ج ۱، ص ۵۵۔

(۵۸) فتح الباری ج ۲، ص ۵۰۹۔

جب تجد کی نماز سے فارغ ہوتے تو یوں دست بدعا ہوتے :

يَا زَبِ أَمْرَتَنِي فَأَطْعُنُكَ وَهَذَا السَّحْرُ فَاغْفِرْ لِنِي^(۵۹)

”اے اللہ! آپ نے ہمیں حکم دیا اور میں آپ کا حکم بجا لایا۔ یہ سحر کا وقت ہے، تو مجھے معاف کرو۔“

② ایک دوسرے صحابی حضرت عبد اللہ بن عُکَیْم بن حوش کا قصہ ان کے شاگرد حضرت ہلال بن الوزان نقل کرتے ہیں کہ جب حاجج بن یوسف نے حضرت عبد اللہ بن عُکَیْم بن حوش کو بلا بھیجا تو آپ نے وضو فرمادی و رکعت نماز پڑھی اور یوں دست بدعا ہوئے :

”اے اللہ! تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کسی یتیم کا مال نہیں کھایا اور نہ ہی کسی پاک باز عورت پر کبھی تمٹت لگائی۔ اے اللہ! اگر میں ان باتوں میں سچا ہوں تو مجھ سے اس مصیبت کو ذور کرو۔“^(۶۰)

۲ تیسرا صورت: نیک اور صالح بندے کی ڈعا کا وسیلہ

اس دنیا میں اللہ کے کچھ ایسے نیک اور صالح بندے رہتے ہیں جنہوں نے اپنے دل کو دنیا میں لگنے سے ذور رکھا ہے۔ ہر وقت ان کی توجہ آخرت کی طرف رہتی ہے۔ لقاءِ الٰہی کی ترب پ ہر وقت ان کے دلوں میں موجز نہ رہتی ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی توجہ بھی ان کی طرف خصوصی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ہر وقت سعیتِ الٰہی کی فرحت

(۵۹) تفسیر طبری، تفسیر سورہ آل عمران آیت ۷۱۔ نیز دیکھئے تفسیر القرطبی ج ۳، ص ۳۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۱۷۱۔

(۶۰) تاریخ بغداد ج ۱۰، ص ۳۔ کتاب المعرفۃ والتأریخ ج ۱، ص ۲۳۱۔

سے سرفراز رہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((أَنَا عِنْدَ ظُلْمٍ عَبْدِيْ بِنِي، وَأَنَا مَعَهُ حَيْثُ ذَكَرْنِي))^(۲۱)

”میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں بالکل اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“

اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ کوئی چیز طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں محروم نہیں کرتا۔

حدیث قدسی میں ہے:

((وَلَيْسَ مَا لَنِي لَأَعْطِيْنَاهُ وَلَيْسَ اسْتَعْذِنَ لِأُعْنِدَنَاهُ))^(۲۲)

”اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں لازماً اسے دے دیتا ہوں اور اگر

میری بناہ میں آنا چاہتا ہے تو اسے میں لازماً پنی بناہ میں لے لیتا ہوں۔“

ایسے نیک اور صالح بندے، خواہ انبیاء و رسول ہوں یا اولیاء و صلحاء، ان کی

خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے دعا کی درخواست کرنا شرعاً صحیح ہے اور اللہ کے

نزدیک یہ دعا مقبول بھی ہے۔ اس چیز کو علماء کی اصطلاح میں ”صالح شخص کی دعا کا

وسیلہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے ثبوت و جواز میں متعدد

دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم سے دلائل:

① حضرت یعقوب اور حضرت یوسف رضی اللہ عنہم کے سامنے جب برادر ان یوسف کی غلطی کھل کر سامنے آگئی اور ان کی فریب کاریوں کا پردہ فاش ہو گیا، نیزوہ اپنے کے پر شرمندہ بھی ہو گئے تو فوراً اپنے والد کے سامنے عرضی پیش کر دی کہ :

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُسْتَفْرِئُ لَنَا ذُنُوبُنَا إِنَّا كُنَّا لَحَاطِينَ ﴾ (یوسف : ۹۷)

(۲۱) صحیح البخاری: ۵۰۵، التوحید، باب ۱۵۔ صحیح مسلم: ۲۱۴۵

الذکر والدعاء، باب ا۔

(۲۲) یہ حدیث گزر چکی ہے۔ حوالہ کے لئے دیکھئے حاشیہ (۵۳)

”اے ابا جان! اللہ سے ہمارے لئے گناہوں کی معافی طلب کیجئے،
بے شک ہم تصوروار ہیں۔“

یعنی غلطی تو ہو گئی، اب ہم اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں۔ آپ اللہ سے دعا
کریں کہ ہماری اس غلطی کو معاف کر دے — جس پر حضرت یعقوب ﷺ نے فرمایا:

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيٌّ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

(یوسف: ۹۸)

”کما: اچھا میں جلد ہی تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔
وہ بہت بڑا بخشش والا اور نہایت مربیان ہے (قوی امید ہے کہ وہ تمہارے
گناہوں کو معاف کر دے گا)۔“

② سورۃ النساء میں منافقین سے متعلق سلسلہ کلام موجود ہے، جہاں
انہیں اللہ و رسول کو چھوڑ کر کسی غیر کے سامنے اپنے معاملات اور باہمی زیارات
لے جانے پر متنبہ کیا گیا ہے، ویسیں ان سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم پچھے مومن ہو
تو تمہیں اپنے فیصلے رسول سے کروانا چاہیں، پھر اگر تم سے غلطی سرزد ہو چکی ہے
یا آئندہ ہو جائے اور تم اپنی غلطی پر پیشیان ہو کر خدمتِ نبوی میں حاضری دو، خود
بھی اللہ سے استغفار کرو اور رسول بھی تمہارے لئے استغفار کرے، تو اللہ کو
توا بورحیم پاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَمَا آرَسْلَنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يُنذِّرُ أَنَّ اللَّهَ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ
إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
الرَّسُولُ لَوْجَدُوا اللَّهَ تَوَآبًا رَّحِيمًا﴾ (النساء: ۶۳)

”ہم نے رسول کو صرف اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی
فرمان برداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر

ظلم کیا تھا، تمہارے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ کو معاف کرنے والا میریان پاتے۔” (۶۲)

احادیث نبویہ سے دلائل:

احادیث نبویہ میں نیک اور صالح شخص کی دعا کے ذریعے ویسے پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ کثرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

① صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:
**فَقَامَ عُكَاشَةُ بْنُ مَحْصِنٍ فَقَالَ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ
 فَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ** (۶۳)

(۶۳) سورۃ النساء کی مذکورہ آیت اس بارے میں صریح ہے کہ وہ منافقین جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اپنا فیصلہ سردار ایں قریش اور علماء یہود کے پاس لے جانا چاہا تھا انہیں متتبہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ خیر و بھلائی کے خواہاں اور حق کے مخلائق ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے بلکہ ان کے لئے بہتر ویسی تھا کہ اپنے ناق سے اللہ کے حضور بعد تقدیل تو بچ کرتے اور مشرکین و گمراہ لوگوں کے بجائے کاشانہ نبوی میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کرتے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے استغفار کرتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا۔ آیت کے سیاق و سبق سے یہی مفہوم واضح و متعین ہے اور جسور مفسرین نے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری ج ۸، ص ۵۱۳ تا ۵۱۵۔ تحقیق احمد شاکر۔ اس لئے آیت کے اس مفہوم سے گریز کر کے آیت کو اس کے دوسرے مفہوم بلکہ قیامت تک گناہ کرنے والوں سے متعلق فرار دینا اور انہیں قبر نبوی پر حاضر ہونے کی دعوت دینا سرا سر غلط اور بے بنیاد ہے۔

(۶۴) صحیح البخاری: ۶۵۲۱، کتاب الرفقا، باب ۵۔ صحیح مسلم: ۲۲۰، کتاب الایمان، باب ۹۳۔

”عکاشہ بن محسن نے کھڑے ہو کر عرض کی (اے اللہ کے رسول!) آپ اللہ سے میرے حق میں دعا کریں کہ وہ مجھے ایسے خوش نصیبوں میں سے بنادے (جو بلا حساب جنت میں جائیں گے)۔ آپ ﷺ نے اُس وقت دعا فرمائی: اے اللہ! اسے ان لوگوں میں سے بنادے۔“

اس حدیث میں جہاں حضرت عکاشہ بن محسن بن عبید اللہ کے رسول ﷺ سے ذعا کی درخواست کا ذکر موجود ہے وہیں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی دعا قبول بھی ہوئی۔

② اسی طرح وہ مبارک صحابیہ جن کا نام شاید اُمّ زفر ہے، ‘خدمتِ نبوی’ میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں مرگ کے دورے میں بے پرده ہو جاتی ہوں، آپ اللہ سے ذعا کبھی (کہ مجھے اس خبیث مرض سے شفافی جائے)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنِّي شَهِيدٌ عَلَى صَبْرِكَ وَلَكَ الْجَنَّةُ، وَإِنِّي شَهِيدٌ لَّكُمْ أَنَّ يَعْلَمُ اللَّهُ أَنَّ يَعْلَمُ فِيمَا يَعْلَمُ)) ”اگر چاہو تو صبر سے کام لو تو تمہارے لئے جنت ہے، اور اگر چاہو تو میں تمہاری شفاء کے لئے اللہ سے ذعا کر دوں۔“ اس پر اس نیک بی بی نے عرض کیا کہ میں صبر سے کام لیتی ہوں، لیکن چونکہ اس حالت میں بے پرده ہو جاتی ہوں اس لئے آپ اللہ سے ذعا کریں کہ میں بے پرده نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے ذعا فرمائی۔^(۶۵)

③ حضرت انس بن مالک بن عبید اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ لوگ عبدِ نبوی میں ایک بار سخت قحط زده ہوئے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ دار القضا کی طرف سے جود روازہ منبر کی طرف کھلتا ہے اس سے ایک اعرابی واخیل ہوا اور آپؐ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا کہ:

(۶۵) صحيح البخاری: ۵۲۵۲ المرضی، باب ۶۔ صحيح مسلم: ۲۵۷۶ البر والصلة، باب ۱۲۔

”یا رسول اللہ! مال بر باد ہو گئے، اہل و عیال بھوٹے ہیں، چوپائے، اونٹ، گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو گئیں، راستہ منقطع ہو گیا، آپ ہمارے لئے ذعا کریں کہ اللہ ہمیں سیراب کر کے ہماری مدد کرے۔“

اس پر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ذعا فرمائی یہاں تک کہ آپ کے بغل کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ آپ ﷺ کی ذعایہ تھی: ((اللَّهُمَّ أَغْشِنَا، اللَّهُمَّ أَغْشِنَا، اللَّهُمَّ أَغْشِنَا)) ”اے اللہ ہماری فریاد رسی کر! اے اللہ ہماری فریاد رسی کر! اے اللہ ہماری فریاد رسی کر!“ آپ کے ساتھ صحابہ کرام ﷺ نے بھی باقاعدے اور دعائیں شریک ہوئے۔ حضرت انس بن مالک قسم کھا کر کتے ہیں کہ ہمیں آسمان میں نہ کوئی بدلتی دکھائی دے رہی تھی اور نہ ہی بدلتی کا کوئی نکلا، اور کوئی چیز بدلتی کے دیکھنے میں مانع بھی نہ تھی، بلکہ آسمان شیشے کی طرح بالکل صاف تھا۔ اسی دوران جبل سلع کی طرف سے ڈھال کے برابر بدلتی اٹھی اور پنج آسمان میں پہنچ کر چاروں طرف پھیل گئی اور بارش شروع ہو گئی۔

قسم ہے اللہ کی، آپ ﷺ نے ابھی اپنادستِ مبارک نیچے بھی نہ کیا تھا کہ بدلتی پہاڑوں کی طرح اٹپڑی اور آپ کے منبر سے نیچے آتے آتے یہ کیفیت ہو گئی کہ پانی آپ کی داڑھی مبارک سے ملنے لگا۔ زور کی ہوا چلنے لگی، گھٹا چھا گئی اور آسمان نے اپنے بندھن کھول دیئے۔ آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ ایسی بارش ہوتی کہ لوگوں کا اپنے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا۔ ہم لوگ پانی میں چل کر اپنے گھر پہنچے۔ وہ پورا دن بارش ہوتی رہی، اس کے بعد والادن بھی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک برابر بارش ہوتی رہی اور ایک ہفتہ تک ہم نے سورج نہ دیکھا۔

دوسرے جمعہ کو رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی دروازے

سے وہی اعرابی یا دوسری اعرابی داخل ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مکانات گر گئے، راستے بند ہو گئے، جانور ہلاک ہو گئے، مسافر راستے میں پھنس گئے، مال بر باد ہو گئے۔ آپ اللہ سے ڈعا تکمیل کے پانی رک جائے۔ اس کی بات پر آپ ﷺ مسکرا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر فرمایا: **اللَّهُمَّ حَوْلَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا...** ”اے اللہ! اردو گرد بارش ہو، ہمارے اوپر نہیں، اے اللہ وادیوں، پہاڑوں، نیلوں اور جنگلوں میں بارش ہو۔“ آپ ﷺ یہ دعائیے کلمات پڑھتے جاتے اور آسمان کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے جاتے۔ آپ ﷺ جس طرف بھی اشارہ کرتے بدی چھٹی جاتی۔ ہم نے بدی کی طرف دیکھا تو بدی مدینہ منورہ کے اوپر سے ہٹ کر دائیں پائیں ہو رہی تھی اور کپڑے کے پھٹ جانے کی طرح ہٹ چکی تھی گویا کہ وہ ایک تاج ہے۔ آس پاس بارش ہو رہی تھی لیکن مدینہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا تھا، یہاں تک کہ لوگ دھوپ میں چل کر اپنے گھروں کو گئے۔ لوگوں کے سامنے اللہ نے اپنے نبی کی کرامت اور ڈعا کی قبولیت کو ظاہر کر دیا۔ وادیٰ قنات ایک میئنے تک بہتی رہی، جس طرف سے بھی کوئی آیا خیر ہی خیر بیان کرتا رہا۔^(۲۶)

اسی طرح وفاتِ نبوی[ؐ] کے بعد بھی سلف صالحین نے زندہ نیک اور صالح شخص کی ڈعا کا وسیلہ لیا ہے۔ جیسے کہ حضرت عمر بن الخطاب رض نے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حضرت عباس رض کا وسیلہ لیا تھا۔^(۲۷)

(۲۶) مختصر صحيح البخاری: ۳۹ الجمعة، باب ۳۲۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی اور موطا امام مالک وغیرہ میں متعدد جگہ مختصر اور مطلقاً مروی ہے۔ ویکھئے جامع الاصول ج ۲، ص ۱۹۵-۲۰۱۔ لیکن چون انکل علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی دقت کے ساتھ اس روایت کے تمام طرق کو جمع کر دیا ہے اس لئے ترجیح میں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت معاویہ بن خوش و اور ضحاک بن قیس برائی کے نے حضرت یزید بن اسود الجبر شی برائی کی ذعاکا و سیلہ لیا تھا۔ (۲۸)

بغرض اختصار ان آثار کی طرف صرف اشارہ سے کام لیا گیا ہے۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ علامہ البافی برائی کی کتاب "التوسل: احکامہ و انواعہ" کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ مختصر ایہ کہ ان احادیث و آثار سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ کسی نیک ذات کی ذعاکا و سیلہ مسنون و مشروع ہے جس پر امت کا اتفاق ہے، لیکن یہ وسیلہ دو شرطوں کے ساتھ ہے۔

① جس ذات کی ذعاکا و سیلہ لیا جا رہا ہے وہ ذات زندہ، حاضر اور نیک و قیع نہست ہو، ورنہ یہ وسیلہ شرک و بدعت میں داخل ہو جائے گا اور وسیلہ لینے والے کی کم عقلی اور لادینی کی دلیل بنے گا۔

② جس بزرگ ذات کی ذعاکا و سیلہ لیا جا رہا ہے اس کے بارے میں یہ تصور جازم رہے کہ یہ مخفی وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے، بجز ذعاکے اس کے پاس کوئی غیر فطری قوت نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے بہر حال میرا کام کروادے گا تو یہ سراسر ضلالت و گمراہی ہو گی اور یہ معاملہ جائز و سلیمانی میں داخل نہ ہو گا۔

(۲۷) حضرت انس بن مالک بن خوش بیان کرتے ہیں کہ جب عبد فاروقی میں لوگ قحط زدہ ہوتے تو فاروق اعظم بن خوش حضرت عباس بن عبد المطلب کے ویلے سے پانی طلب کرتے اور فرماتے: اے اللہ ہم تیرے نبی کے ویلے سے تھوڑے سے پانی طلب کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کر تھا، اور اب تیرے نبی کے پچاکے ویلے سے تھوڑے سے پانی طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب کر تو لوگ سیراب کئے جاتے۔ یعنی حضرت عباس بن خوش دعا کرتے اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا۔ دیکھئے صحیح البخاری: ۱۰۱، الاستسقاء، باب ۳۔ بخاری شریف کی شرح فتح الباری ج ۲، ص ۳۹۷۔

(۲۸) تہذیب کارنخ ابن عساکر ج ۲، ص ۳۱۹۔ ترجمہ یزید بن اسود۔

و سیلے کے ناجائز طریقے

گزشتہ سطور میں ہماری گفتگو قرآن و حدیث سے ثابت شدہ و سیلے کے صحیح طریقوں سے متعلق تھی، جسے قدرے تفصیل کے ساتھ ناظرن کے سامنے رکھا گیا، تاکہ مسئلہ کی یہ صورت بھی لوگوں کے سامنے واضح رہے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم و سیلے کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ اب چند باتیں ان و سیلوں سے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن کا ثبوت نہ قرآن حکیم سے ہے اور نہ احادیث صحیح سے اور نہ ہی خیر القرون میں صحابہ کرام رض یا تابعین رض کا ان پر عمل رہا ہے۔ اس توسل کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- ① کسی کی ذات کا وسیلہ
- ② کسی کی عظمت و رتبے کا وسیلہ
- ③ کسی کے حق کا وسیلہ
- ④ کسی غیر موجود یا غرددہ ذات کی ذعا کا وسیلہ

① کسی کی ذات کا وسیلہ

کسی نبی، ولی، شہید اور عازی کی ذات کا واسطہ دے کر اللہ سے کچھ طلب کرنا، مثلاً یوں کہنا کہ اے اللہ اپنے نبی کے صدقے مجھے بخش دے، اے اللہ تجھے تیرے جیب کا واسطہ ہے کہ میری یہ ضرورت پوری کر دے، اے اللہ اولادِ علی و فاطمہ (علیہما السلام) کے صدقے میری مصیبت کو نیال دے وغیرہ۔

چونکہ ذعا اور وسیلہ خالص شرعی عمل اور عبادت کا معاملہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ثبوت میں قرآن حکیم یا احادیث صحیح سے کوئی دلیل

ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو عبادت قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو اسے اصطلاح
شرع میں بدعت کہا جائے گا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے :

((مَنْ أَخْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))^(۲۹)

”جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ ناقابل
قبول ہے۔“

دوسرے لفظوں میں یہ حدیث یوں آتی ہے کہ :

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))^(۳۰)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

اس قاعدے کو سامنے رکھ کر ”ذات کا وسیلہ“ لینے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو قرآن
حکیم یا احادیث نبویہ سے اس کا کہیں سے بھی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی کسی صحابی
و تابعی نے اس پر عمل کیا ہے اور نہ ہی ائمہ مشورین میں سے کسی کا قول
معروف ہے۔ اس لئے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ وسیلہ بدعت اور شرک
کا راستہ ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس کے بدعت ہونے پر ائمہ کا اتفاق
ہے۔ خیر القرون میں کسی نے بھی اس توسل کو جائز نہیں سمجھا۔ امام ابوحنیفہ اور
امام ابو یوسف بیشنسیہ سے اس وسیلہ کا ناجائز اور مکروہ ہونا صراحت کے ساتھ
ثابت ہے۔ فرمایا :

لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُو اللَّهَ إِلَيْهِ وَالدُّعَاءُ الْمَأْذُونُ فِيهِ
وَالْمَأْمُورُ بِهِ مَا اسْتَفِيدَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ

(۲۹) صحيح البخاری : ۷۲۹ الصلح ، باب ۵۔ صحيح مسلم : ۱۷۱۸
القضية باب ۸، عن عائشة رضي الله عنها

(۳۰) صحيح مسلم ج ۲، ص ۱۳۲۵۔ مسند احمد ج ۲، ص ۱۳۲، ۱۸۰ عن
عائشة رضي الله عنها۔

الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا ﴿٤١﴾

”کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنی کے علاوہ کسی اور واسطے سے پکارے۔ اور جس دعا کی اجازت اور حکم ہے وہ وہی ہے جس کا ثبوت آیت کریمہ ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْخَيْرُ۝ فَادْعُوهُ بِهَا میں موجود ہے۔“ ۴۲

● کسی کے رتبے اور مقام کا وسیلہ

کسی نبی، ولی اور شہید کے رتبے اور مقام کے وسیلے سے اللہ سے کچھ طلب کرنا، مثلاً اے اللہ! میں تجھے فلاں نبی کے جاہ و عظمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرا فلاں کام کر دے۔ اے اللہ! تجھے تیرے پیارے حبیب کے جاہ و مقام کا واسطہ ہے کہ جس طرح تو نے انہیں بخشنا ہے مجھے بھی معاف کر دے، وغیرہ وغیرہ۔

(۱) ذرخوار اور اس کا حاشیہ روز محترم، ص ۵۶۸، الحراجائق ج ۸، ص ۲۳۵۔

(۲) ایک شبہ اور اس کا ازالہ : صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر بن جہر اپنے دو برخلافت میں اللہ کے رسول ﷺ کے پھر حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ویلے سے پانی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ”اے اللہ! ہم تیرے نبی کے ویلے سے آپ سے بارش طلب کرتے تھے اور آپ ہمیں بارش عطا فرماتے تھے۔ اور اب ہم تیرے نبی کے پھر کے ویلے سے پانی کے طالب ہیں تو آپ ہمیں بارش عطا فرمادیں۔“ [ابن بخاری: ۱۰۱۰ الاستسقاء، باب ۳]

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت عباس بن جہر کی ذات کا وسیلہ لیتے تھے، لیکن حق یہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرام ہمیشہ حیات نبوی میں آپ ﷺ کی ذات کا نہیں بلکہ آپ ﷺ کی دعاویں کا وسیلہ لیتے تھے اسی طرح حضرت عمر فاروق بن جہر نے بھی حضرت عباس بن جہر کی ذات کا نہیں بلکہ دعا کا وسیلہ لیا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کر کے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو واضح روایا ہے۔ دیکھئے فتح الباری بن ۲، ص ۳۹۷۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے علامہ البالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوسل، ص ۵۲۔ ۳۷۔

چونکہ احادیث صحیح و ثابتہ اور اقوال صحابہؓ میں اس کا ثبوت نہیں ہے اس لئے یہ صورت بھی بدعت اور شرکِ اکبر کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے منوع ہوگی۔ اگر دلیل کی یہ صورت کسی معنی میں جائز و مشروع ہوتی تو صحابہ کرامؓ کی پاک جماعت اسے ترک نہ کرتی۔ (۴۳)

۲ کسی مخلوق کے حق کا وسیلہ

چیز کسی شاعر نے کہا :

اللهي بحق بنی فاطمة

کہ بر قول ایمان کرنی خاتمه!

”اے اللہ! اولاد فاطمہ کے حق کے طفیل ایمان کے لفظ پر میرا خاتمه
کر دے۔“

۷۳۱) ایک شبے اور اس کا زالہ: یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس مشہور حدیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو ان الفاظ میں مردی ہے: (انوشنہ حجاجی فلان حجاجی عند اللہ عظیم) ”میرے جادہ درتبے کا وسیلہ اوس لئے کہ میرا درتبہ اللہ کے نزدیک بست عظیم ہے۔“

دو بابا عرض ہے کہ بلاشبہ نبی سنت پر کارتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند اور نہایت عظیم ہے، ملکیت اس کا وسیلہ لینا یہ ایک اور بات ہے۔ ثبوت کے لئے اس حدیث کا صحیح جواب ضروری ہے۔ بنکد علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ پنانچہ علامہ محمود آلوی حنفی ریاضی اپنی کتاب تفسیر رون المعلان میں تحریر فرماتے ہیں: اے پیر زادہ احد من اهل العلم ولا هوفی شیء من کتب الحدیث۔ یعنی نہ تو اس حدیث کو کسی عالم نے روایت کیا ہے اور نہ ہی کتب حدیث میں اس کا کہیں تذکرہ ہے۔ اروج المعلان ص ۱۲۷، نیز دیکھئے مجموع الفتاوی ج ۲۷، ص ۱۲۶، ح ۲۲۵، ح ۲۲۶، التوسیل الائین تسمیۃ، ص ۷۷۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة: ۲۲۔ الدُّعَاءُ وَمَكانتِهُ امن

یا مثلاً اے اللہ تجھے تیرے نبی کے حق کا واسطہ ہے کہ تو مجھے معاف کر دے۔ فلاں
ولی و بزرگ کے حق کے ویلے سے سوال ہے کہ میرا یہ کام ہو جائے۔
و سیلہ کی یہ صورت بھی کسی صحیح و صریح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس
سلسلے میں بعض حدیثیں پیش کی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی حدیث بھی پایہ
ثبوت کو نہیں پہنچتی، جن میں سے بعض کاذک آگے آئے گا۔ پھر کسی شرعی مسئلے پر
کسی ضعیف و موضوع حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور شاید یہی وجہ ہے
کہ علماء امت خصوصاً علماء احناف نے اس ویلے کو غیر مشروع قرار دیا ہے۔
چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتمد کتاب ہدایہ میں ہے کہ :

بِكُرَهِ إِنْ يَقُولُ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ بِحَقِّ فَلَانٍ أَوْ بِحَقِّ
أَنْبِيَاءٍ كَوْزَلِكَ لَا نَهُ لَا حَقٌّ لِمَخْلوقٍ عَلَى الْخَالِقِ^(۱)

(۱) الہدایہ ۲۳۱/۳۔ ۲۳۲/۲۳۱۔ طبعہ دار المعرفۃ بیروت ط ۱، ۱۹۹۰ھ۔ نیز، کمیٹی
الدر المختار ج ۹، ص ۵۱۸، ۵۱۹ مع حاشیہ رد المختار۔ البحر انداز شرح
کنز الدقائق لابن نحیم ج ۸، ص ۲۲۵۔ شرح العقیدۃ الصحاویۃ لابن ابی اعز
الحنفی ج ۱، ص ۲۹۷۔ شرح الفقہ الاکبر للقاری، ص ۱۹۸۔ اتحاف انسادۃ
المتفقین شرح احیاء علوم الدین ج ۲، ص ۲۸۵۔

ان میں سے اکثر کتابوں میں صراحت کے ساتھ مذکورہ صورت کے مکروہ ہونے کے بارے میں
امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا قول نقیل کیا گیا ہے۔

نوٹ: یہاں پر یہ بات بھی واضح رہی چاہیئے کہ فقہ حنفی میں مکروہ حرام کے قریب ہے، یعنی جس
طرح حرام کا ارتکاب کرنے والا عذاب جنم کا مستحق ہے اسی طرح مکروہ تحریکی کا مرتكب بھی
عذاب جنم کا مستحق ہو گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

الْمُكَرُورُه حِرَامٌ عِنْ دِهِمْدِهِ اَقْرَبُ الْحِرَامِ عِنْ دِهِمْدِهِ حِنْفِيَهُ وَيُوسُفَ
”امام محمد کے نزدیک مکروہ اور حرام برابر ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف بھی کے
نزدیک مکروہ حرام کے قریب تر ہے۔“ (الہدایہ ج ۳، ص ۳۲)

”کسی نبی اور رسول یا کسی اور کے حق کے ویلے سے ڈعا کرنا مکروہ ہے،
کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔“

مشور اور متداول کتاب قدوتی کے مصنف امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

المسألة بخلقه لا تجوز لأنَّه لا حَقٌ لِّلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ فَلَا

تجوز وفاقا (۱۷۵)

”کسی مخلوق کے ویلے سے ڈعا کرنا متفقہ طور پر ناجائز ہے، کیونکہ کسی
مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔“

ویلہ منوعہ کی ذکر کو رہنماؤں صورتیں اسلام کے منافی امور میں داخل نہیں
ہیں بلکہ بدعت اور شرکِ اصغر میں داخل ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس امت
میں اور سابقہ امتوں میں شرکِ اکبر کا دروازہ انہی صورتوں سے کھلا تھا۔ لذایہ
صورتیں اگرچہ کلی طور پر اسلام کے منافی نہیں ہیں لیکن خطرناک ہیں۔

۲) غیر موجود زندہ یا کسی مُردے کی ڈعاء کا وسیلہ

وسیلہ منوعہ کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی غیر موجود شخص کی ڈعا کا وسیلہ
لیا جائے، وہ ذات مُردہ ہو یا زندہ، خواہ وہ ذات کسی نبی کی ہو یا ولی و شہید کی، خواہ
کسی بزرگ سے ڈعا کی درخواست کی جائے کہ اے فلاں ہستی! اللہ سے میرا

”درحقار اور اس کے حاشیہ رؤس مختار میں ہے :

کن مکروہ ای کراہہ تحریم حرام کا لحرام فی العقوبة بالثار عند
محمد... وعنهما و هو الصَّحِيحُ المُخْتَارُ الی الْحَرَامِ اقرب (۱۷۹، ص
۲۰۵، ۲۰۳، ۲۸۷، ۲۸۶)۔ نیز دیکھئے الجمال الرائق شرح کنز الدقائق ج ۸، ص ۲۰۵، ۲۰۳
”ہر مکروہ یعنی مکروہ تحریمی امام محمد کے نزدیک حرام ہے یعنی جنم کے عذاب کے استحقاق
کے ملٹے میں۔ البتہ امام ابو حیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حرام کے قریب ہے اور
یہی نہ ہب صحیح و مختار ہے۔“

(۱۷۵) فاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص ۵۰

یہ کام کر ادیتھے یا اس بزرگ ہی سے اپنی مرا دماغی جائے، بلکہ اس کی حرمت پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے، اور یہی وہ شرک ہے جو مشرکین عرب میں رائج تھا اور جسے انہوں نے وسیلہ کا نام دے رکھا تھا اور یہی وہ شرک تھا جو اللہ کے رسول مسیحیم اور مشرکین کے مابین سب سے بڑے اختلاف کی بنیاد تھا۔ اس لئے بقول علامہ محمد بن صالح العثیمین اسے وسیلہ نہیں بلکہ شرک کہنا چاہیے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ اسے ہم وسیلہ کا نام دیں، بلکہ اسے ہم شرک کہتے ہیں، کیونکہ غیر اللہ سے دعا کرنا دین میں شرک اور گمراہی ہے۔ شرک اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک نہ رہا یا اور گمراہی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿وَمَنْ أَصْلَلَ مِئَنْ يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ
إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴾

(الاحقاف: ۵)

”آخر اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے، بلکہ اس سے بھی بے خوبی کر کر پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں۔“ (۷۶)
صورتِ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے معروف سیرت نگار مولانا صفحی الرحمن مبارک پوری کی مندرجہ ذیل تحریر کو غور سے پڑھیں، ان شاء اللہ حقیقت واضح ہو جائے گی:

”اب رہ جاتا ہے پہلا معااملہ یعنی توحید کا جو سارے اختلافات کی اصل بنیاد تھی، تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ کو اس کی ذات، صفات اور افعال میں

(۷۶) مجموع الفتاویٰ والرسائل لشیعی ابن العثیمین ج ۵، ص ۲۸۸۔
بلکہ علامہ نے کسی کے جاہ و حق کا وسیلہ مانے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔

ایک مانتے تھے، وہ کہتے تھے کہ :

صرف اللہ ہی خالق ہے جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور صرف وہی مالک بھی ہے، اسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے اور صرف وہی رازق ہے جو انسان، حیوان، چوپائے، درندے، پرندے غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے اور صرف وہی مدیر ہے جو آسمان اور زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز یہاں تک کہ چھوٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے اور صرف وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اس نے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے، جن، انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابع فرمان کر رکھا ہے اور سب کے سب اس کے سامنے بھکھے ہوئے ہیں، وہ جس کو چاہے پناہ دے کوئی کپڑا نہیں سلتا، اور جس کو چاہے کپڑا لے کوئی پناہ نہیں دے سلتا، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہتا ہے لگاتا ہے، نہ کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے، نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔

یہ ساری باقیں مشرکین تسلیم کرتے تھے اور ان سب میں وہ اللہ کو اکیلا اور یکتا مانتے تھے، وہ اللہ کی ذات اور صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے، البتہ ان باقیوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے کہ :

اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں کو، مثلاً پیغمبروں اور نبیوں کو، اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کو، اپنچھے اور نیکوکار لوگوں کو اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصریف کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور وہ اللہ کے دینے ہوئے اس

اختیار کی بناء پر تصرف کرتے ہیں۔ مثلاً اولاد دے دیتے ہیں، مصیبت ڈور کر دیتے ہیں، بیمار کو شفادیتے ہیں اور بعض دیگر ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں، اور اللہ نے انہیں یہ اختیار اس لئے دیا ہے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مقام و مرتبہ ہے، اور چونکہ اللہ نے انہیں یہ تصرف و اختیار دے رکھا ہے اس لئے وہ بندوں کی ضرورتیں غیری طریقے سے پوری کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض مصیبتوں ڈور کر دیتے ہیں، بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں اور جس سے خوش ہو جاتے ہیں اسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سفارش کر دیتے ہیں۔

مشرکین نے اپنے ان خیالات کی بناء پر ان انبیاء عظام، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور نیکوکار لوگوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اور ایسے ایسے اعمال ایجاد کئے جن کے ذریعے ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضامندی حاصل ہو سکے، چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجالاتے، پھر عاجزی کے ساتھ گزگزا کر ان ہستیوں سے فریاد کرتے اور کہتے ”ہماری ضرورت پوری کرو، ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطہ ڈور کرو!“

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنہیں مشرکین نے ان ہستیوں کی رضامندی اور تقرب کے لئے ایجاد کیا تھا تو وہ اعمال یہ تھے کہ انہوں نے ان انبیاء، اولیاء اور بزرگانِ دین کے نام سے بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنائے وہاں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجارتی کھی تھیں اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیال میں بعض اولیائے کرام یا بزرگانِ دین کی قبریں مل گئیں تو سورتی تراشنے کے بجائے انہی قبروں ہی پر آستانے بنادیئے۔ اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چھو کر ان سے برکت حاصل

کرتے، ان کے گرد چکر لگاتے، تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے، نذر و نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان طریقوں سے ان کی قربت اور ان کافضل چاہتے۔ نیز نذر و نیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کر دیتے۔ حقیقت سے حاصل ہونے والے غلے، کھانے پینے کی چیزیں، جانور، چوپائے، سونا چاندی، مال و اساباب غرض جس سے جو ہو سکتا تھا نذر کر دیتا تھا۔

کھیتی، غلے اور کھانے پینے کی چیزیں، سونا چاندی اور مال و اساباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاوہ اور درباری ہوا کرتے تھے۔ مشرکین یہ چیزیں ان مجاوروں کو پیش کرتے اور وہ مجاوہ را نہیں قبول اور مورثیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر برآہ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔

البتہ جانوروں اور چوپائیوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کئی شکلیں تھیں۔ چنانچہ وہ کبھی ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگان دین کی رضامندی کے لئے جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جماں چاہتا چرتا اور گھومتا پھرتا، کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا، بلکہ نقدس کی نظر سے دیکھا جاتا۔ اور کبھی ایسا کرتے کہ جانور کو ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانے پر لے جا کر ذبح کر دیتے اور کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کی بجائے گھر برہی ذبح کر لیتے لیکن کسی ولی یا بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک یاد و مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے (جیسے ہمارے ہاں عرس لگتے ہیں) اس کے لئے خاص تاریخوں میں ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے اور اوپر ان کی جو حرکتیں ذکر کی گئی ہیں وہ سب کرتے، یعنی آستانوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے، ان کا طواف کرتے، نذر و نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے،

جانور ذبح کرتے وغیرہ۔ یہ سالانہ عرس یا میلہ ایسا اہم ہوتا کہ اس میں ذورو نزدیک سے چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ حاضر ہو کر اپنی نیاز پیش کرتے اور اپنا مقصد حاصل ہونے کی امید رکھتے۔

پھر یہ سارا کام مشرکین اس غرض سے کرتے تھے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کا تقریب اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے انسیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں اور ان کا دامن پکڑ کر اللہ تک پہنچ جائیں، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین انسیں اللہ کے قریب پہنچادیں گے اور ان کی ضرورتوں کے لئے اللہ سے سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ ساری نذر و نیاز پیش کرنے کے بعد ان ولیوں اور بزرگوں کو پکارتے کہ ”اے بابا! میرا فلاں فلاں کام بن جائے اور فلاں مصیبت ٹھل جائے۔“

اور سمجھتے تھے کہ وہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جو غرada مانگی جائے وہ پوری کرتے ہیں، بگڑی بناتے ہیں، مصیبتوں نالتے ہیں اور ایسا یا تو خود اللہ کے دیئے ہوئے تصرف و اختیار کے ماتحت کر لیتے ہیں یا اللہ سے سفارش کر کے کر لیتے ہیں۔ تو یہ تھا مشرکین کا شرک اور یہ تھی غیر اللہ کے لئے ان کی عبادت اور یہ تھا اللہ کے مساوا کو معبود بنانا اور شریک نہ رہانا اور یہ تھے انبیاء عظام، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور نیکو کار صالحین جن کو مشرکین نے معبود بنار کھاتھا۔ (۱۷۷)

اس طویل اور مفید اقتباس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ وسیلہ منوع کی مردجہ شکل غیر اللہ کی عبادت میں داخل ہے جو اسلام کے صراحتاً مخالف ہے، بلکہ اسے وسیلہ نہیں غیر اللہ کی عبادت اور شرک کا نام دینا زیادہ صحیح ہے۔

شُبهات کا ازالہ

وسیلہ کی جائز و ناجائز صورتوں کا ذکر قدرے تفصیل سے گزر چکا، جس کے بعد ہر طالب حق کے سامنے حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اس موضوع سے متعلق کچھ شہمات بھی ہمارے ہاں پائے جاتے ہیں اس لئے چند باتیں ان کے ازالہ سے متعلق بھی ہو جانی چاہئیں، تاکہ ذہن صاف ہو جائے۔ ان تمام شہمات کا ازالہ اس مختصر بحث میں مشکل ہے، جسے تفصیل درکار ہو تو اسے درج ذیل کتابوں کا مفہوم الدعویٰ کر لینا چاہیئے :

امام ابن تیمیہ کی کتاب ”قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلة“، علامہ البانی کی کتاب ”التوسل“، انواعہ واحکامہ“، علامہ نعمان الالوی کی کتاب ”غایۃ الامانی“، شیخ نسیب الرفاعی کی کتاب ”التوصل الی حقیقة التوسل“ اور آخر میں ”كتاب الذِّعاء وَمِنْزَلَةُ مِنْ العِقِيدَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ“ المجلد الثاني ص ۲۷۳ سے لے کر صفحہ ۱۰۰۰ تک۔

یہاں پر چند اہم شہمات کا ذکر کر کے ان کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔

پہلی بحث: آیات کریمہ سے غلط استدلال

ناجائز وسیله کی تائید میں بعض آیات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں درج ذیل تین آیات بہت مشور ہیں، حالانکہ اگر کوئی شخص ان آیات سے متعلق صحابہ کرام رض و تابعین عظام سے مروی تفسیر غور کرے تو استدلال بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ تین آیتیں یہ ہیں :

① ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيَنْذِلَ الْهُدَىٰ وَلَوْلَا أَنَّهُمْ أَذْلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْجَدُوا اللَّهَ تَوَابًا رَّحِيمًا ﴾ (النساء: ۱۲۳)

”ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمان برداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ جب انسوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا میراں پاتے۔“

② ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (المائدۃ: ۳۵)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔“

③ ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوَيْهِ فَلَا يَنْلَكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِلُلَأْ وَلِئِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَسْتَعْفُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةُ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴾ (الاسراء: ۵۶، ۵۷)

”کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو۔ لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو ذور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جنیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔“

پہلی آیت کی وضاحت : اس آیت میں گناہگاروں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایات ہیں کہ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کا غذر قبول کر کے ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادے گا۔

بعض لوگوں نے اس آیت کو اپنے عموم پر باقی رکھا اور قیامت تک آنے والے گناہگاروں کے لئے اسے عام سمجھا۔ اور بد قسمتی سے بعض من گھڑت اور جھوٹے قصوں سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہے جس سے عام لوگوں کا شہبہ اور بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے سیاق و سبق کے ساتھ پڑھ لیا جائے۔

۱۰۴َ إِنَّمَا تَرَى إِلَى الَّذِينَ يَرِيدُونَ أَنْ هُمْ أَمْتَوْا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُكَ وَمَا
أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَكَّمُوا إِلَى الظَّاغُوتِ وَقَدْ
أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضْلِلَهُمْ ضَلَالًا
بَعْدَ إِذَا قُتِلُوا إِلَيْهِمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ
رَأَيْتَ الْمُنْفِقِينَ يَضْدُدُونَ عَنْكَ ضُدُودًا ۖ فَكَيْفَ إِذَا

أَصَابُوكُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمْتُ أَيْنِيهِمْ ثُمَّ جَاءَكُوكُمْ يَعْلَمُونَ
بِاللَّهِ إِنَّا أَرَدْنَا إِلَّا احْسَانًا وَتَوْفِيقًا ○ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ
مَا فِي قُلُوبِهِمْ ○ فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظُّهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي
أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بِلِيغًا ○ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا يُطَاعَ بِإِذْنِ
اللَّهِ ○ وَلَوْأَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءَهُمْ وَكَفَرُوا اللَّهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْجَدُوا اللَّهَ تَوَابًا رَّحِيمًا ○ فَلَا
وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يَحْكُمُوكُمْ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مَمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا

(التيساء: ۶۵-۶۰)

”اے بنی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اُس کتاب پر جو تماری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت کا کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت ڈور لے جانا چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان مخالفوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تماری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، ان سے تعرض نہ کرو، انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔ (انہیں بتاؤ کہ) ہم نے جو بھی رسول بھیجا

ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ اللہ کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے، اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو تو اکہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی شکنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر بر تسلیم کر لیں۔“

زیر بحث آیت کو اس کے سیاق و سبق کے ساتھ نقل کر کے اس کا ملیں ترجمہ قارئین کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ ان آیات کی مفصل تفسیر ذکر کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ البتہ راجم سطور نے مفسرین کے کلام کی روشنی میں جو کچھ سمجھا ہے ان میں سے چند فوائد کا انتخاب یہاں پیش کرتا ہے۔

① ان آیات میں بالخصوص ان منافقین کا ذکر ہے جن کا دعویٰ تھا کہ ہم قرآن کریم اور اس سے قبل نازل شدہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، لیکن جب معاملہ اپنے آپس کے اختلافات کا ہوتا تو ان کا حل خدمتِ نبوی میں ڈھونڈنے کے بجائے طاغوتوں اور یہودیوں کے سرداروں کے پاس لے جاتے۔

② ان کی اس حرکت پر جب انہیں متنبہ کیا جاتا اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہونے کے لئے کہا جاتا تو مئہ موز کر کنارہ کش ہو جاتے اور حکمِ اللہ پر کان نہ دھرتے۔

③ پھر جب اس نافرمانی کے بد لے ان پر کوئی عذاب نازل ہوتا یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عتاب کا شکار ہوتے تو حلفِ اٹھاتے اور لمبی لمبی فتمیں

کھاتے کہ ہمارا مقصد اس سے صرف بھلائی اور فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کا تھا، ہماری نیت بڑی نہیں تھی۔

② اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی کہ وہ منافقوں کے سارے پوشیدہ عیوب کو اچھی طرح جانتا ہے، آپ صبر سے کام لیں اور ان سے چشم پوشی فرمائیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے رہیں اور نرم باتوں سے ان کا دل جیتنے کی کوشش کریں۔

⑤ منافقین کا یہ جرم کس قدر سُکھنے ہے کہ اللہ کا رسول بذاتِ خود ان کے درمیان موجود ہے، انہیں اختلافات کے شرعی حل کے لئے بلا بھی رہا ہے، پھر بھی منافقین کی یہ جرأت کہ فرمانِ رسول ﷺ سے اعراض کر کے اپنے معاملات یہود و مشرکین کے پاس لے جا رہے ہیں۔ شانِ رسول ﷺ میں اس سے بڑی گستاخی اور کیا یہ سُکھتی ہے؟

⑥ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کی اس حرکت پر متنبہ کیا کہ غلطی تو کر میں ہے ہو، لیکن اگر خدمتِ نبوی میں حاضری دو، رسول ﷺ کے سامنے اپنا عذر پیش کرو، اللہ سے مغفرت چاہو اور رسول بھی تمہاری سفارش کرے تو یقیناً اللہ تمہارے اوپر رحم کرے گا۔

⑦ چونکہ یہ گستاخی شانِ رسول میں بھی ہے، اور رسول کی گستاخی بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی معصیت شمار ہوتی ہے، اس لئے اللہ سے دعائے مغفرت کے ساتھ ساتھ خدمتِ رسول میں حاضری اور ان کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

⑧ پھر یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا کہ اس دنیا میں رسول ﷺ کی بعثت کا مقصد صرف اس پر ایمان لانا نہیں ہے، بلکہ سارے امور و معاملات میں اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

۹ اور یہ قاعدہ بھی واضح کیا گیا کہ کسی بھی شخص کا ایمان اُسی وقت مقبول ہو گا جب کہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو حرفِ آخر اور قولِ فیصل تسلیم کر لے۔

۱۰ اور یہ تسلیم و سپردگی صرف زبان و جسم سے ہی کافی نہیں ہے بلکہ اپنے دل و دماغ اور خواہش و جذبات کو بھی اس کے تابع کر دے۔

ان آیات میں اس طرح کے اور بھی کتنے جواہر پارے پوشیدہ ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے صرف نہ کورہ بالانکات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زیر بحث آیت مردہ جو وسیلہ کے لئے کس طرح دلیل بن سکتی ہے؟ جبکہ آیت کے سیاق و سبق سے یہ واضح ہے کہ منافقوں کی مغفرت کو خدمتِ نبوی میں حاضری اور شفاقتِ رسول سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ ان سے ذاتِ رسول ﷺ سے متعلق سخت گستاخی کا ارتکاب ہوا تھا۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ قیامت تک آنے والے گناہگاروں اور ہر قسم کے گناہوں کے لئے کاشانہ نبوی پر حاضری کو ضروری قرار دیا جائے۔ منافقوں سے متعلق اس حکم خاص کو عام کرنا کسی واضح دلیل کا محتاج ہے، یعنی ضروری ہے کہ صحابہ کرام یا بعد کے مفسرین نے اس آیت کو اس کے عام مفہوم میں لیا ہو، جبکہ تاریخ و واقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام یعنی جو احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی کو سب سے زیادہ سمجھتے اور مانتے والے تھے ان کے اوپر سخت سے سخت مراحل آئے، بسا اوقات فیصلہ اس قدر مشکل ہو گیا کہ دو جماعتیں آپس میں ششیروں ناہ لے کر آمنے سامنے ہو گئیں، لیکن کبھی کسی صحابی نے یہ طریقہ استعمال نہیں کیا جو ہمارے ذور میں سمجھا جا رہا ہے، حالانکہ صحابہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل حتیٰ کہ میاں بیوی کے معاملات بھی خدمتِ نبوی میں

پیش کرتے تھے۔ اس لئے بلا جگہ یہ بات کمی جا سکتی ہے کہ اس آیت سے مرد جہ و سیلہ کا ثبوت پیش کرنا قرآن و حدیث اور سہیل المؤمنین کے خلاف ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ قابل ذکر ہے کہ زیر بحث آیت مبارکہ میں حکم ہے کہ ”ثُمَّ جَاءَهُ وُكَّ“ یعنی ”پھر آپ کے پاس آتے“۔ یہ الفاظ صراحت کے ساتھ دال ہیں کی یہ معاملہ حیاتِ نبوی کا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کو آپ ﷺ کے پاس آنے سے تعبیر نہیں کیا جاتا، بلکہ عربی زبان میں اس کے لئے یہ تعبیر مستعمل ہے کہ جَاءَ إِلَيْ فَقْبَرَهُ أَوْ زَارَ فَقْبَرَهُ یعنی آپ کی قبر کے پاس آیا آپ کی قبر کی زیارت کی۔ قبر مبارک کی زیارت کو آپ ﷺ کی زیارت یا آپ کے پاس حاضری سے تعبیر کرنا بدعت ہے، جس کا ثبوت سلف سے نہیں ملتا۔^(۷۸)

خلاصہ یہ کہ زیر بحث آیت کا وسیلہ مرد جہ سے ڈور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انہم عظام کے اقوال و توصیحات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری اور تیسری آیت کی وضاحت : وسیلہ کے لغوی اور شرعی معنی کی وضاحت میں ان دونوں آیتوں کا ذکر آچکا ہے اور اس مقام پر مفسرین کے اقوال سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ ان آیات میں وارد لفظ وسیلہ کا تعلق وسیلہ مرد جہ سے نہیں ہے، بلکہ اطاعتِ اللہ اور نیک اعمال اختیار کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرنا وسیلہ ہے۔ تمام مفسرین نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بعض مفسرین سے وسیلہ کا معنی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وَهَذَا الَّذِي قَالَهُ هُؤُلَاءِ الْأَنْمَةُ لَا خَلَافٌ بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِيهِ
”لفظ وسیلہ کی تفسیر میں ان انہم تفسیر نے یہ جو کچھ فرمایا ہے اس بارے

(۷۸) الدعاء و مکانتها، ج ۲، ص ۴۰۱۔

میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں۔” (۲۹)

زیر غور آیات پر ایک نظر

سورۃ المائدۃ کی آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾ (المائدۃ: ۳۵)
”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو
اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔“

امام المفسرین ابو جعفر طبری رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ”اے وہ لوگو جو اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی
باتوں پر ایمان لائے ہو، ان کے حسب و عدہ ثواب اور حسب و عید عذاب کی
تصدیق کرتے ہو، اللہ سے ڈرو، وہ اس طرح کہ اوامر و نوایہ پر اس کی اطاعت کر
کے اس کی باتوں پر بلیک کو۔ نیک عمل کر کے اپنے رب اور اس کے رسول پر
ایمان کی تصدیق کرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو، یعنی جو اعمال اسے
پسندیدہ ہوں ان پر عمل کر کے اس کا قرب تلاش کرو۔

اس کے بعد امام ابو جعفر طبری رضی اللہ عنہ نے ”وسیلہ“ کا الفوی معنی بیان کیا ہے
جس کا ماحصل یہ ہے کہ اہل عرب جب یہ کہتے ہیں کہ ”تو سلَّتُ إِلَى فلانِ
بکذا“ تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ”کسی چیز کے ذریعے فلاں کے قریب ہوا۔“
مزید فرمایا کہ وسیلہ کا جو معنی یعنی قرب ہم نے بیان کیا ہے وہی معنی مفسرین
بھی بیان کرتے ہیں۔ پھر دلیل کے طور پر عطاء، حسن بھری، ابو واکل، مجاهد،

(۲۹) دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۲۔ نیز دیکھئے تفسیر طبری ج ۶، ص ۲۲۷، ۲۲۸۔
تفسیر القرطبی ج ۶، ص ۱۵۹۔

السدى اور قاده ~~بیت~~ وغیرہم کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔^(۸۰)
ہندوستان کے مشور صوفی عالم علی بن محمد المہائی^(۸۱) اپنی تفسیر میں لکھتے
ہیں کہ :

”اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے
اس کے ساتھ لڑائی نہ چھیڑو۔ اس کے کسی حق کو ضائع کرنے سے بچو،
کیونکہ اس کے حقوق کا ضائع کرنا اس کے ساتھ محبت کے رشتے کو تو زنا
اور اس کے ساتھ لڑائی کا چھیڑنا ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت کا رشتہ
اس وقت تک استوار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے وسائل اختیار
نہ کئے جائیں۔ اس لئے صحیح عقائد، ایجھے اخلاق اور نیک اعمال کر کے
اس کا قرب حاصل کرو اور یہ وسیلہ اور قرب اس وقت تک حاصل
نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے نفس کے ساتھ جماد نہ کرو۔ رہبانت
کے ذریعے نہیں بلکہ اس کے راستے میں نکل کر اپنے نفس کے ساتھ
جماع کرو۔“^(۸۲)

دوسرے تمام مفسرین بھی قریب قریب یہی مفہوم بیان کرتے ہیں جنہیں
سامنے رکھ کر درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

① اس آیت کا تعلق کسی بزرگ کی ذات اور اس کے جاہ و مقام سے وسیلہ
لینے سے نہیں ہے۔

(۸۰) تفسیر طبری ج ۸، ص ۵۶۶۔

(۸۱) علی بن احمد المہائی، علام الدین لقب اور ابو الحسن کنیت ہے۔ مخدوم شاہ کے نام
سے مشور ہوئے۔ ۷۶۷ھ میں مہاتم (ماہم بھائی) میں پیدا ہوئے اور وہیں پر ۸۳۵ھ
میں وفات ہوئی۔ بھائی ماہم میں مخدوم شاہ کے نام سے ان کا مزار آج بھی مشور ہے اور
باقی سے شرک و بذعت کا اڈہ بنتا ہوا ہے۔ (العلام ج ۲، ص ۲۵۷)

(۸۲) تبصرۃ الرحمن ج ۱، ص ۷۴۔

۲) اس آیت میں ”وسیلہ ڈھونڈنے“ کا مفہوم یہ ہے کہ نیک اور صالح اعمال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ اور یہ بعینہ وہی چیز ہے جسے حدیث شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ((قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ :... وَمَا تَقْرَبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ إِلَّا حَبَّتْ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقْرَبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَجِبَّهُ)) (۸۳) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے نزدیک سب سے محبوب عمل جس کے ذریعے بندہ میری قربت حاصل کرے وہ فرائض ہیں، اور بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ (ابن حجر الحدیث)۔

۳) اس آیت میں بعض اُن وسائل کا بھی ذکر آگیا ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، مثلاً :

- (ا) تقویٰ یعنی محربات سے پرہیزادوں فرائض پر عمل
- (ب) اللہ کے راستے میں جہاد، خواہ وہ جہاد بالنفس ہو یا جہاد بالسیف، یا جہاد بالمال یا جہاد بالسان۔

سورۃ الاسراء کی آیت:

فُلِ اذْعُوا الَّذِينَ زَعَمُوا مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ
الصُّرُّ عنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَذْعُونَ يَسْتَغْفِرُونَ
إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةُ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَةَ وَيَخَافُونَ
عَذَابَهُ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوفًا ۝ (الاسراء: ۵۶، ۵۷)

”آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں

(۸۳) صحیح البخاری: ۶۵۰۳ الررقاق، باب ۳۸۔

پکارو، لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو ڈور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقریب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں (بات بھی یہی ہے کہ) آپ کے رب کا عذاب ڈرانے کی چیز ہی ہے۔“

سبب نزول : صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں کچھ لوگ جتوں کی ایک جماعت کی عبادت کیا کرتے تھے (یعنی انہیں بطور وسیلہ کے پکارتے تھے) جب اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی تو جتوں کی وہ جماعت مسلمان ہو گئی اور مشرکین کو چونکہ اس کی اطلاع نہ تھی اس لئے وہ ان جتوں کی عبادت میں لگے رہے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی : «أَوْلِئِكَ الَّذِينَ يَذْهَبُونَ إِلَيْنَا رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةُ أَيُّهُمْ أَفْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَةَ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْدُودًا» ۱۰۵ (الاسراء: ۱۰۵) (کہ تم جن کا وسیلہ لے رہے ہو وہ تو خود اپنے لئے حصولِ رحمت اور نجاتِ جہنم کی خاطر کسی قریب ترین راستے کی تلاش میں ہیں۔)

محقق تشریع : یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ انہیں اللہ کا نزدیکی بنا دیں گے اور اللہ کے نزدیک ان کی سفارش کریں گے تو یہ ان کا صرف گمان ہے۔ یہ لوگ اپنی عبادت کرنے والوں سے نہ ہی کسی تکلیف کو ڈور کر سکتے ہیں اور نہ ان کے حالات کو بدل سکتے ہیں کہ ان کی خشک سالی کو سیرابی، مرض کو صحت، فقیری کو مالداری میں تبدیل کر دیں، بلکہ یہ اللہ

(۸۳) صحيح البخاری : ۳۷۱۳ التفسیر۔ صحیح مسنده : ۳۰۲۰ التفسیر باب ۳۔ تفسیر الطبری ج ۸ ص ۹۵۔

کے بندے ہیں جن کی مشرکین عبادت کر رہے ہیں اور انہیں اپنا وسیلہ سمجھ کر پکار رہے ہیں۔ وہ تو خود اس قدر محتاج ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے لئے خود کسی وسیلے کی تلاش میں ہیں۔ وہ تو خود اس جھوٹیں ہیں کہ اللہ کا قرب کرن اعمال کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ وہ کون سے اعمال ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو کر ہماری مغفرت فرمادے۔ ان نیک ہستیوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ بھی وقت رحمت اللہ کی امید رکھتے ہیں اور عذاب اللہ سے خوفزدہ رہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا بھی انک اور خوفناک ہے۔ ۱

مذکورہ بالا آیت سے متعلق مفسرین کی تفسیر کا یہی خلاصہ ہے^(۸۵) اور اسی تفسیر بر مفسرین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری^(۸۶) فرماتے ہیں کہ :

”ونَحْوَا الَّذِي قَلَنَا فِي ذَلِكَ قَالَ أهْلُ التَّاوِيلِ“^(۸۷)

”اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ کام مفسرین بھی یہی کہتے ہیں۔“
مذکورہ آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:
① بندوں کے اوپر سے مصیبت کا ذور کرنا، انہیں صحت و عافیت سے نواز دینا، فقیری کو مدد اور معاشری میں تبدیل کر دینا — یہ سارے کام صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، کسی مقرب سے مقرب بندے کو بھی یہ اختیارات نہیں دیئے گئے۔

② مشرکین جن باطل معبودوں کو پوچھتے تھے اور جن کی وساطت و شفاعة کے متمنی تھے وہ صرف لکڑی اور پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں، بلکہ مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جاندار، عقل و خرد سے مالا مال، رضائے

(۸۵) دیکھیے اضواء البيان ۳/۵۹۸، ۵۹۹۔ تفسیر الصبری ۸/۴۵۔
المحرر الوجيز ۳/۲۶۵، ۲۶۶۔ تفسیر ابن کثیر ۳/۳۳ وغیرہ۔
(۸۶) تفسیر الصبری ج ۸، ص ۹۸۔

اللہ کی متنی و متلاشی اور قربِ اللہ کی جستجو میں سرگرم ہستیاں تھیں۔

(۲) جن حضرات کا ذکر ان آیات میں ہے وہ کون لوگ تھے؟ اس سلسلے میں مفسرین کرام کی آراء میں اختلاف ہے۔

(ا) عبد اللہ بن مسعود بن عقبہ کا بیان ہے کہ وہ مسلمان جن ہیں، جیسا کہ سببِ نزول سے ظاہر ہے۔ امام ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔^(۸۷)

(ب) حضرت عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن زید اور حمادہ بن سعید وغیرہم نے اس سے مراد فرشتوں، حضرت عزیز اور عیسیٰ ابن مریم تھے کو لیا ہے۔^(۸۸)

(۳) اس آیت میں وارد لفظ وسیلہ کا معنی وہی ہے جو سورۃ المائدۃ کی آیت میں مذکور لفظ وسیلہ کا ہے، یعنی نیک اعمال کے ذریعے قربِ اللہ کا حاصل کرنا۔

(۴) یہ آیت مردِ جہ و سیلہ پر کسی صورت میں بھی دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ یہ آیت تو التاولیوں، بزرگوں سے وسیلہ لینے کے خلاف ہے۔ اور یہ حکم قرآن مجید میں ایک سے زائد بار بیان ہوا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے :

﴿ قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَأَيْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ لَا يَنْهَاكُونَ مِنْ قَالَ ذَرْرَةً فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شَرِيكٍ وَمَا لَهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝﴾ (سبا: ۲۲)

”ان مشرکین سے کو کہ پکار دیکھو ان معبدوں کو جنیں تم اللہ کے سوا اپنا معبد سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ نہ تو آسمانوں میں کسی ذرہ برا برچیز کے مالک

(۸۷) تفسیر الطبری ۸/۶۹۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۳۶۳۔ فتح الباری ۸/۳۹۷۔

(۸۸) تفسیر الطبری ۸/۹۸۔ تفسیر المحرر الوجيز لابن عطیۃ الاندلسی

ہیں اور نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں
ہیں۔ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔ ”

وَلَئِنْ سَأَلُوكُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولُوكُمْ اللَّهُ
قُلْ أَفَرَءَ يُشْعِمُ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِي اللَّهُ بِضَرِّ
هُلْ هُنَّ كَشِفُتُ صُرْرَةً أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هُلْ هُنَّ مُمْسِكُ
رَحْمَيْهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

(الثُّرْمَر : ۳۸)

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو
یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہنے کے اچھا یہ تو
ہتاو جنیں تم اللہ کے سوا پاکارتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا
چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مریانی کا
ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مریانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ
اللہ مجھے کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔“

⑥ ہر زمانے کے مشرکین جن نیک ہستیوں کا وسیلہ لیتے ہیں وہ ہستیاں ان کے
عمل سے بے خبر ہوتی ہیں، بلکہ وہ تو خود ہی قربِ اللہ کی جستجو میں رہتی ہیں۔
⑦ وسیلہ اور تقربِ الہ کا سب سے بہتر طریقہ ایمانِ حکم، بڑے گناہوں
سے اجتناب اور نیک اعمال پر کار بند رہنا ہے۔

⑧ اللہ کے نیک بندے ہر وقت عذابِ اللہ سے خوفزدہ اور اس کی رحمتوں
کے امیدوار رہتے ہیں، بلکہ جو بندہ اللہ کا جس قدر مقرب ہوتا ہے وہ اللہ
کے عذاب سے اسی قدر خائن رہتا ہے۔

اس مختصر بحث سے واضح ہوا کہ جو وسیلہ مختلف فیہ ہے ان تینوں
آیات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرہ بحث : بعض احادیث سے استدلال

ان آیات کے علاوہ ہمارے بھائیوں کو جو سب سے اہم شبہ درپیش ہوتا ہے وہ بعض احادیث نبویہ کی غلط تشریع یا بعض موضوع و ضعف احادیث کی وجہ سے ہے جن کا ذکر عام طور پر صوفیاء کے یہاں ملتا ہے۔ شرکیہ و سلیمانیہ کے مؤتّیدین علماء دانستہ یا نادانستہ اپنی کتابوں میں ان ہی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن سب سے پہلے دو غلط فہمیوں کا ذرا البتہ ضروری ہے جو عام طور پر لوگوں کو درپیش رہتی ہیں، حتیٰ کہ بعض مدعیان علم نے بھی اپنے بعض رسائل میں ان کا اظہار کیا ہے۔

پہلی غلط فہمی

ان میں سے ایک یہ کہ حدیث کے ضعف اور موضوع ہونے کا کیا معنی ہے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول و فعل اور تائیدی فعل کو حدیث کہا جاتا ہے اور آپ ﷺ کا کوئی قول و فعل کس طرح ضعیف و کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہو سکتا ہے؟ یہ وہ مغالطہ ہے جو بہت سے حقیقت سے ناواقف لوگوں کو رہتا ہے اور عوام کی لाञچی سے فائدہ اٹھا کر دلوں میں کھوٹ اور بیکاری رکھنے والے علماء اس حربے کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے، اور اس وضاحت کے لئے ہم اپنے محترم دوست ابو عبد الرحمن شیبیر بن نور کی تلخیص کردہ کتاب ”تہذیب اطفال“ کے مقدمہ سے ایک اقتباس لقل کرتے ہیں جس میں محترم دوست نے اس موضوع کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ اگر اسے غور سے پڑھ لیا جائے تو ہر طالب حق کے سامنے حدیث کے ضعف و موضوع ہونے کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ وہ لکھتے ہیں :

ایک مغالطہ اور اس کا زال

”بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ کہا جائے کہ ”فلا حدیث ضعیف“ ہے ”تو اس کا معنی یہ ہے کہ کہنے والا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو نعوذ بالله ضعیف اور کمزور قرار دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی آنحضرت ﷺ کے ارشادِ گرامی کو ضعیف یا کمزور نہیں کہا سکتا۔ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات براہ راست تو ہمارے پاس نہیں آئے، بلکہ آپ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تابعین سے تابعین سے ان کے بعد آنے والوں نے اور بالآخر حدیث مصنفین کتب حدیث تک پہنچ گئی۔ آپ ﷺ سے چلتے چلتے حدیث امام بخاری یاد گیر مصنفین تک چاریا پانچ واسطوں سے پہنچتی ہے۔ لذاحدیث میں کمی بیشی یا غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد شین نے کسی بھی حدیث کو پرکھنے اور جانپھنے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ اصول وضع کئے ہیں :

- ① ہر راوی کی اپنے استاد سے ملاقات ثابت ہو، ورنہ کیسے ممکن ہے کہ اس راوی نے اس استاد سے سن لیا ہو گا۔
- ② ہر راوی عاقل بالغ مسلمان ہو اور گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔
- ③ ہر راوی کا حافظہ عمدہ ہو، اس کی یادداشت مضبوط ہو، بھول چوک کی بیماری سے بچا ہوا ہو۔ کبھی کبھار بھول جانا بیماری نہیں ہے۔
- ④ وہ حدیث کسی عمدہ اور بہتر درجے کی حدیث کی مخالفت بھی نہ کرے، یعنی شاذ نہ ہو!
- ⑤ اہل علم محمد شین نے اس حدیث کو تکمیلی وجہ سے رد بھی نہ کیا ہو۔ جب یہ شرط میں پائی جائیں گی تو ہم حدیث کو صحیح قرار دیں گے اور اگر شرط

نمبر ۳ میں ذرا سی کوتاہی ہو تو ہم اسے صن کہہ دیں گے۔ لہذا جب تک یہ پانچ شرطیں حدیث میں نہ پائی جائیں کسی حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اگر ان شرطوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو جس کے منہ میں جو آتا آپ ﷺ کا نام لے کر بیان کر دیتا۔ لہذا یہ پانچ شرطیں بھی حدیث کی حفاظت کی خاطر رکھی گئی ہیں۔ اگر نہ کورہ بالا پانچوں شرطیں موجود ہوں گی تو حدیث صحیح تسلیم ہوگی ورنہ اسے ضعیف کرنے پر مجبور ہیں۔”^(۸۹)

دوسری غلط فتحی

ضعیف حدیث پر عمل اور اس سے استدلال کا حکم

حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا حکم سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کا کیا حکم ہے۔ جس کا مختصرًا جواب تو یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہے اور غالب گمان ہے کہ اس حدیث کے بیان میں غلطی واقع ہوئی ہے اس لئے اس پر عمل بھی جائز نہ ہو گا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علماء نے احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) مقبول (۲) مردود^(۹۰)۔ ان دونوں قسموں کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابن حجر الرزق فرماتے ہیں کہ :

”جمهور علماء کے نزدیک مقبول حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور مردود

(۸۹) ملاحظہ ہو ”تذییب اطفال“ کے ”عرضِ مرتب“ کی آخری بحث ”ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ“ طبع نور الاسلام اکیڈمی لاہور۔

(۹۰) دیکھئے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی مشورہ کتاب نحبۃ الفکر مع شرح نہرۃ النظر ص ۱۲۵ اور امام سیوطی کی مشورہ کتاب تدریب الروادی ن ۱، ص ۶۲

حدیث وہ ہے کہ اس خبر کی صداقت معلوم نہ ہو سکی۔“ (۱۹۰)

چونکہ اس حدیث کا اللہ کے رسول ﷺ کا قول و فعل ہوتا ثابت نہ ہو سکا اس لئے اس کا رد کر دینا واجب ہے اور کسی طرح بھی اس پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اسی بنیاد پر قدیم زمانے سے علمائے حق کی یہ رائے رہی ہے کہ عقائد و احکام کے باب میں ضعیف حدیثوں پر اعتماد نہ کیا جائے، البتہ فضائل و ترغیب و تربیب کے بارے میں کچھ شرائط کے ساتھ کم ضعیف احادیث کا ذکر جائز رکھا گیا ہے، چنانچہ پانچویں صدی کے مشہور امام خطیب بغدادی رض اپنی نادر کتاب ”الکفاية فی علم الرِّوايَة“ میں ایک باب منعقد فرماتے ہیں :

باب الشدد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل

الاعمال

”احکام سے متعلق احادیث کے بارے میں تشدد اور فضائل اعمال کے

بارے میں نرمی کا بیان“

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :

”بہت سے اہل علم سے یہ بات مروی ہے کہ جو حدیثیں حرام و حلال سے متعلق ہوں انہیں صرف ایسے راویوں سے لیا جائے گا جو ہر قسم کے الزامات سے بری ہوں، لیکن وعظ و ارشاد اور ترغیب و تربیب کی حدیثیں ہر قسم کے راوی سے روایت کی جاسکتی ہیں۔“

اس کے بعد دلیل کے طور پر متعدد ائمہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں، جیسے امام احمد بن حبل، سفیان ثوری اور سفیان بن عبیینہ رض وغیرہ۔

اس ضمن میں امام احمد بن حبل رض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :

اذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلال

(۱۹۰) نفس المصدر

والحرام والسنن والاحكام تشددنا في الاسانيد، وإذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في فضائل الاعمال وما لا يضع حكماً ويعرفه تساهلنا في الاسانيد^(۹۱)

”جب حلال وحرام اور احکام وسنن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی حدیث ہم سے بیان کی جاتی ہے تو ہم سند کی جانچ پر تال میں حتیٰ کام لیتے ہیں، اور اگر فضائل اعمال سے متعلق کوئی حدیث بیان کی گئی جس میں نہ تو کوئی حکم لگایا گیا ہو اور نہ کوئی حکم انھایا گیا ہو تو ہم اس بارے میں نرمی اور تسائل سے کام لیتے ہیں۔“

ساقویں صدی کے مشہور عالم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”التقریب والتيسیر لمعرفة سنن البشیر النذير“ میں فرماتے ہیں کہ :

”اہل حدیث اور دوسرے علماء کے نزدیک موضوع احادیث کی بات علیحدہ ہے، البتہ ضعیف احادیث کا بیان کرنا، ان پر عمل کرنا اور ان کی جانچ پر تال میں تسائل سے کام لینا جائز ہے، بشرطیکہ ان احادیث ضعیفہ کا تعلق صفاتِ الہیہ، حلال و حرام اور عقائد سے نہ ہو۔“^(۹۲)

علماء کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی بھی ضعیف حدیث سے کوئی عقیدہ یا حلت و حرمت کا حکم توثیق نہیں ہو سکتا، البتہ فضائل اعمال پر اس کی کسی قدر نجاشی، ہے لیکن اس کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں جنہیں خصوصاً متاخرین علماء نے بیان کیا ہے۔

مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے متفقین و متاخرین کے اقوال پر گمراہی کے ساتھ غور کرنے کے بعد فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے مقبول ہونے

(۹۱) الكفاية في علم الرواية ص ۲۱۳، ۲۱۴

(۹۲) التقریب مع شرحہ تدریب الراوی، ج ۱، ص ۲۹۸

کیلئے تین شرطیں بیان کی ہیں، جنہیں بعد کے علماء کرام نے قبول کیا ہے۔ (۹۳)
 ① وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو۔ (۹۴)

اس شرط کی رو سے وہ ساری حدیثیں خارج ہو جاتی ہیں جو موضوع 'سخت ضعیف' اور 'شاذ و مکر' ہوں۔

② اس ضعیف حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ مسئلہ بیانیادی طور پر کسی دوسری شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ یعنی جس عمل کی فضیلت اس ضعیف حدیث میں بیان ہوئی ہے یا جس عمل سے ذرا یا گیا ہے اس کے ثبوت میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو، مثلاً نمازِ تجد کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے اس لئے اس کے بارے میں اگر کوئی ضعیف حدیث بھی آجائے تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چونکہ زنا کی برائی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لئے اگر کوئی ضعیف حدیث اس کی شاعت میں وارد ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔

③ اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے، بلکہ احتیاط سے کام لیا جائے، تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت نہ ہو جائے جو آپ سے ثابت نہ ہو۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ کسی بھی ضعیف حدیث سے ایسا مسئلہ ثابت

(۹۳) دیکھئے: القول البديع لللام السخاوي، ص ۲۵۔ تدریب الراوى للسيوطى ج ۱، ص ۲۹۸، ۲۹۹۔ ظفر الامانى لعبدالحق اللکھنوى، ص ۲۰ اور مقدمة صحيح الترغيب والترحيب لللبانى ج ۱، ص ۱۶ اور اس کے بعد۔

(۹۴) امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ حقدمن و متاخرین کے نزدیک متفق علیہ چلا آرہا ہے، جیسا کہ امام خلیل الحلالی وغیرہ نے نقل کیا ہے: القول البديع، ص ۲۲۵، تدریب الراوى ج ۱، ص ۲۹۸۔

نہیں کیا جا سکتا جس کا تعلق احکام و عقائد سے ہو، پھرچونکہ وسیلہ اور ذعا خاص عقیدہ سے متعلق ہیں اس لئے اس کے ثبوت کے لئے کسی صحیح و صریح اور غیر اختلافی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اب اس اصول کی روشنی میں ان احادیث کا مطالعہ کیا جائے جنہیں وسیلہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔

وسیلہ کے ثبوت میں پیش کی جانے والی بعض احادیث کا جائزہ

زیر غور مسئلے میں بیان کی جانے والی بعض احادیث کا تذکرہ اور ان کی حقیقت بیان کرنے کے لئے اہل علم کا تبصرہ :

❶ حدیث : توبہ آدم

حضرت عمر بن الخطاب کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((الَّمَّا أَذْنَبَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذَّنْبُ الَّذِي أَذْنَبَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ

إِلَى الْعَرْشِ فَقَالَ: أَسأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِنِي))^(۹۵)

”جب حضرت آدم علیہ السلام سے وہ مشور غلطی ہوئی تو آپ نے اپنا سر عرش کی طرف اٹھایا اور کہا ”اے اللہ میں محمد کے حق کے ویلے سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کرو۔“

ذات کے وسیلہ پر یہ حدیث بہت مشور اور زبان زو خاص و عام ہے، حالانکہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ یقیناً یہ اللہ کے رسول ﷺ کا

(۹۵) معجم الطبرانی الصغیر ج ۱، ص ۸۲، ۸۳۔ معجم الطبرانی الأوسط : ج ۲، ص ۲۵۹۔ مستدرک الحاکم ج ۲، ص ۹۱۵۔

فرمان نہیں ہے۔ بلا جھگ کہا جاسکتا ہے کہ علماء محققین کے نزدیک یہ حدیث بالاتفاق باطل ہے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص المستدرک میں اس حدیث کو موضوع اور میزان الاعتدال میں باطل قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان میں امام ذہبی کے حکم کی تائید کی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع اور بے بنیاد قرار دیا ہے۔ علامہ میشی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجمع الزوائد میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔^(۹۶)

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت آدم ﷺ جن کلمات کا وسیلہ لے کر اپنے گناہ کی معافی کے طالب ہوئے تھے اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت آدم ﷺ اور ان کی الجبیہ نے ان الفاظ کے ساتھ درخواست کی تھی :

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنَّ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِيرِينَ﴾ (الاعراف: ۲۳)

”اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم لازماً گھٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

۲ حدیث: حق نبی

حضرت علی بنی یہود کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی وفات کا واقعہ روایات میں بیان ہوا ہے جس کے آخر میں آیا ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے انسیں

(۹۶) دیکھئے حاشیۃ المستدرک ۲/۲، ۵۰۳۔ میزان الاعتدال ۲/۲، ۵۰۳۔ لسان المیزان ۳/۳۶۰، ۵۳۲، ۵۳۲۔ مجمع الزوائد ۸/۸۵۳۔ تفصیل کے لئے دیکھیں تفسیر طبری ج ۱۱۳، ۱۱۴۔ سلسلة وغيرها کتب تفسیر۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے التوصل لل Lalani، ص ۲۸۹۔

الحادیث الضعیفة: ۲۵۔ الدعا و منزلته من العقيدة ۲/۲، ۲۸۹۔

اپنے دست مبارک سے قبر میں رکھا تو آپ نے یہ دعا فرمائی :

((اللَّهُ يُحِبُّ وَيُمِيثُ وَهُوَ حَقٌّ لَا يَمُوتُ اغْفِرْ لَامِي فاطِمَةَ
بَنْتَ أَسْدٍ وَلَقْنَهَا حِجَّتَهَا وَوَسِعَ عَلَيْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ
وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مَنْ قَبْلَكَ أَرَحَمُ الرَّاحِمِينَ))^(۹۷)

اس حدیث کو امام طبرانی ریتیج مجمع او سط میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :
لم يروى هذا الحديث عن عاصم الأسفیان تفرد به روح
بن صلاح^(۹۸)

”اس حدیث کو عاصم سے صرف سفیان ثوری نے روایت کیا ہے بلکہ
روح بن صلاح اس حدیث کو بیان کرنے میں منفرد اور تنہا ہیں۔“

بعینہ یہی بات امام ابو قیم ریتیج نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمائی ہے^(۹۹)
جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث صرف ایک سند سے مروی ہے اور اس کا
دار و مدار سفیان اور روح بن صلاح پر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اصول
حدیث کی بنیادوں پر اسے پرکھا جائے کہ آیا محدثین کے نزدیک یہ حدیث قابل
استدلال ہے یا نہیں۔ جہاں تک حضرت سفیان ثوری ریتیج کا تعلق ہے ان سے
متعلق کسی کلام کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ بالاتفاق قبل اعتماد و اطمینان راوی
ہیں، لیکن جب ان سے روایت کرنے والے راوی روح بن صلاح پر نظر ڈالتے
ہیں تو یہ حدیث متعدد وجوہ سے ناقابل استدلال معلوم ہوتی ہے، جن میں سے
بعض حقائق کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے مزید تفصیل درکار ہو وہ سلسلۃ الاحادیث

(۹۷) معجم الطبرانی الكبير ج ۲۲، ص ۳۵۱۔ معجم الطبرانی الاوسط ج ۱، ص ۱۵۳۔ حلیۃ الاولیاء ج ۲، ص ۱۲۱۔

(۹۸) معجم الطبرانی الاوسط ج ۱، ص ۱۵۲۔

(۹۹) حلیۃ الاولیاء ج ۲، ص ۱۲۱۔

الضعيفة، التوسل: انواعه واحكامه لللبناني اور استاذ جيلان العروسي کی کتاب الدُّعاء و مِنْزَلَتِهِ مِنَ الْعِقِيدَةِ الْاسْلَامِيَّةِ کا مطالعہ کر لے۔ (۱۰۰)

① روح بن صلاح ضعیف اور منکر الحدیث (جس کی روایات شدید ضعیف ہوں) راوی ہے۔ علمائے محققین جیسے امام الدارقطنی، حافظ ابن عدی، امام ذہبی، حافظ ابن حجر اور امام بیشی بیشی وغیرہم نے اسے ضعیف اور عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے والا کھا ہے۔ (۱۰۱)

② امام طبرانی اور اصفہانی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام سفیان ثوری کے شاگردوں میں سے کسی نے بھی یہ حدیث بیان نہیں کی ہے، اس لئے بھی اصولِ حدیث کی بنیاد پر یہ حدیث منکر (شدید ضعیف) ہوگی، کیونکہ اگر کسی محدث کے شاگرد کثرت سے ہوں، اس کی حدیثیں چاروں طرف پھیل گئی ہوں، پھر اگر اس سے کوئی غیر معروف شاگرد، خواہ وہ بقہہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، ایسی حدیث بیان کرتا ہے جسے اس کے مشهور اور بڑے شاگرد بیان نہیں کرتے تو وہ حدیث ناقابل قبول ہوتی ہے۔ (۱۰۲)

③ امام سفیان ثوری رسانی کے شاگردوں کی فربست میں کسی نے روح کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی میرے پاس موجود کتب رجال میں روح کے اساتذہ میں امام سفیان کا ذکر ہے، بلکہ امام ابن حبان نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ

(۱۰۰) سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۲۳، التوسل انواعه واحكامه، ص ۱۰۳، وفى صبغة اخري، ص ۱۰۹، الدُّعاء و مِنْزَلَتِهِ مِنَ الْعِقِيدَةِ ج ۲، ص ۷۹۳۔ ۸۰۰۔

(۱۰۱) الكامل في الضعفاء ج ۳، ص ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۴، المعنى في الضعفاء للذهبي ج ۱، ص ۲۲۳۔ کتاب الضعفاء والمتروكين لابن الحوزي ج ۱، ص ۲۸۷۔ لسان الميزان لابن حجر ج ۲، ص ۲۲۵۔ ۲۲۶۔

(۱۰۲) دیکھئے مقدمة صحيح مسلم ج ۱، ص ۷۔

صرف مصروف سے روایت کرتے ہیں اور اہل مصر ان سے روایت کرتے ہیں^(۱۰۳) جبکہ امام ثوری ریشتر کو فی ہیں۔^(۱۰۴)

③ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ امام سفیان ثوری ریشتر کی وفات ۱۲۱ھ^(۱۰۵) میں ہوئی جبکہ روح بن صلاح کا انتقال ۲۳۳ھ^(۱۰۶) میں ہوا ہے، یعنی دونوں کی وفات میں ستر سال سے زائد کا فاصلہ ہے۔ اس لئے یعنی ممکن ہے کہ یہ سند ہی منقطع ہو۔

ذکور بالا بحث صرف سند حدیث سے متعلق ہے۔ متن کے لفاظ سے بھی یہ حدیث کئی وجہ سے محل نظر ہے۔

ذکورہ امور کو سامنے رکھ کر یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حدیث شدید ضعیف ہے، بلکہ غالب گمان ہے کہ شیعوں کی چالاکی سے یہ حدیث اہل سنت کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہو۔ واللہ اعلم!

٢ حدیث: اہل قبر کی شفاعت

بعض مخرب عقیدہ کتب میں درج ذیل حدیث بڑے دھڑکے سے بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَعَلَيْكُمْ بِأَهْلِ الْقُبُوْرِ))^(۱۰۷)
”جب تم کاموں میں جیران ہو جاؤ تو مزارات اولیاء سے مدد مانگو۔“

(۱۰۳) الشقات لابن حبیان ۸/۲۲۲- لسان المیزان لابن حجر ۲/۳۶۶

(۱۰۴) دیکھئے تقریب التہذیب وغیرہ من کتب التراجم۔

(۱۰۵) میزان الاعتدال ج ۲، ص ۵۸- لسان المیزان ج ۳، ص ۳۶۵

(۱۰۶) الامن والعلی، ص ۳۳- کشف الخفاء ومزیل الالباس : ۲۱۳ ج ۱، ص ۸۸- نیز اس کی تردید کے لئے دیکھئے قاعدة جليلة فی التوسل والوسيلة لابن تیمیۃ، ص ۱۵۲- اغاثۃ اللہفان ج ۱، ص ۳۲۱

یہ حدیث بھی باتفاق علماء جھوٹی اور من گھڑت ہے، حدیث کی کسی بھی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کسی بڑے عالم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شرک و بنت پرستی کی بُو اس سے صاف ظاہر ہے، بلکہ معنی سے ہی اس کا بے بنیاد ہونا اس قدر ظاہر ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر اردو کی بعض کتابوں (۱۰۷) میں اس کا ذکر نہ ہو تو اسے بیان ہی نہ کرتا۔

۲ حدیث: جاہِ رسولؐ کا وسیلہ

بعض لوگ مندرجہ ذیل حدیث پر اعتماد کر کے ساری عمارت و سیلہ کھڑی کر

دیتے ہیں:

((تَوَسَّلُوا بِجَاهِنِي فَإِنَّ جَاهِنَيْ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ))

”میرے جاہ و مقام کا وسیلہ لو، کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا مقام بہت بلند ہے۔“

یا ان الفاظ میں ہے :

((إِذَا كَانَتْ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ حَاجَةٌ فَسُلُّوهُ بِجَاهِنِي))

اس حدیث پر مختصرًا بحث چند صفحات پسلے گزر چکی ہے اور علماء کے اقوال کی روشنی میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ حدیث من گھڑت، موضوع اور باطل ہے، معتبر کتب حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مغالط آرائی کی وضاحت : حقیقت حال کی وضاحت کے لئے دو باتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

① اس حدیث کو موضوع کرنے کا یہ معنی قطعاً نہیں کہ نبی اکرم ﷺ فداہ ابی داؤد کے صاحب جاہ ہونے کا انکار ہے، حاشا وکلا، ایک مؤمن ایسا عقیدہ کیے

رکھ سکتا ہے، جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ کو ”وجیہہ“ یعنی صاحب جاہ فرمایا ہے،^(۱۰۸) اور ہمارے نبی مسیح موعتم تو تمام انبیاء سے افضل اور اعلیٰ جاہ کے حامل ہیں، بلکہ آپ کے مقام کو سمجھ لینا اور پھر بیان کر لینا کسی صاحب علم کے قلم کے لئے ممکن ہی نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے ”وَرَفَعْنَاكَ ذِكْرَكَ“ کہہ کر آپ مسیح موعتم کو اوج ثریا تک بلکہ اس سے بھی اوپر پہنچا دیا، بلکہ شاعر نے ایک مصرع میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

”بعد از خدا بزرگ توئی رقصہ مختصر!“

آپ مسیح موعتم کی شان تو یہ ہے کہ حشر کے میدان میں حمد باری تعالیٰ کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہو گا اور آدم ملائکہ اور ان کی ساری اولاد بشمول انبیاء و رسل اور اولیاء و شدائد سب کے سب اسی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ مسیح موعتم کے جاہ و مقام کو وہ بلندی بخشی ہے کہ آپ سے پہلے بتت میں کسی کو داخلہ نصیب نہ ہو گا۔ گویا کہ رحمتی کی جنت کا افتتاح آپ کریں گے۔ ان تمام فضائل و مناقب پر ایمان رکھتے ہوئے وہ کون ظالم ہو گا جو آپ مسیح موعتم کے جاہ و مرتبے کا اعتراف نہ کرے گا۔

② یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ آپ مسیح موعتم کے جاہ و مقام کا اقرار اور اس پر تیقین و ایمان اور چیز ہے اور اس جاہ کا وسیلہ لینا و سری چیز ہے، کیونکہ وسیلہ لینا ایک خالص عبادت ہے اور سارے امور عبادت تو تیقینی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خود صاحب جاہ مسیح موعتم نے اپنے صحابہ کو اس جاہ و مقام کا وسیلہ لینے کی تعلیم دی ہے کہ نہیں؟ اگر دوستی ہے تو تیقیناً

(۱۰۸) حضرت موسیٰ ملائکہ سے متعلق دیکھئے الہزاب: ۶۹۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهٌ أَوْ حضرت میسیح ملائکہ سے متعلق دیکھئے سورہ آل عمران: ۵۵۔ وَجِئْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ :

یہ کام جائز ہے اور اگر نہیں دی تو اس پر عمل آپ کی اتباع نہیں بلکہ نافرمانی شمار ہو گی جسے ہم بدعت و مخالفت سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے واضح لفظوں میں فرمادیا ہے کہ :

((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِّمَّا أَمْرَكُمُ اللَّهُ بِهِ إِلَّا وَقَدْ أَمْرَتُكُمْ بِهِ، وَلَا

تَرَكْتُ شَيْئًا مِّمَّا نَهَىٰكُمُ اللَّهُ عَنْهُ إِلَّا نَهَىٰشُكُمْ عَنْهُ))^(۱۰۹)

”ہروہ کام جس کے بیان کرنے کا اللہ نے مجھے حکم دیا اس کامیں نے حکم دے دیا ہے اور جس چیز سے اللہ نے روکنے کا حکم دیا اس سے میں نے تمہیں روک دیا ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوذر غفاری بن عبود بیان فرماتے ہیں کہ :

((الْقَدْ تَرَكْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَحْرُكُ طَائِرٌ

جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَاءِ إِلَّا أَذْكَرْنَا مِنْهُ عِلْمًا))^(۱۱۰)

”حضرت محمد ﷺ نے ہمیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ اگر کوئی پرندہ بھی

(۱۰۹) مستند امام شافعی : ۶۲۵ [شفاء العبي ج ۲، ص ۳۱۳] الرسالة : ۲۹۰
ص ۸۷ شرح السنة : ۳۱۱ ج ۱۳، ص ۳۰۲ عن المطلب بن حنبل -

(۱۱۰) مستند الامام احمد ج ۵، ص ۱۵۳، مستند البزار [کشف الاستار : ۷ ج ۱۳، ص ۸۸] معجم الطبراني الكبير : ۱۳۲ ج ۲، ص ۱۵۵ - ۱۵۶

معجم الطبراني میں اتنا اضافہ ہے کہ : فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ((ما يبقى شيء يقرب من الجنة ويياعد من النار إلا وقد بين لكم)) یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : جنت سے قریب اور جنم سے دور کرنے والی کوئی چیز یا قیمتی نہیں ہے سامنے یہاں نہ کر دیا گیا ہو۔“

ہر مسلمان جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، ان احادیث میں اس کیلئے دعوت تدریب ہے کہ قریب اللہ کے حصول، جنت میں داخلے اور محبت رسول ﷺ سے سرفراز ہونے کیلئے کسی ایسے کام کی اجازت نہیں ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ہو۔

آسمان میں اُڑ رہا ہے تو اس کا بھی علم (شریعت میں اس پرندے سے متعلق احکام و مسائل کا علم) ہمیں دیا ہے۔⁽ⁱⁱⁱ⁾

اس لئے یہ بات ذہن میں ہر وقت موجود رہنی چاہئے کہ کسی چیز کا وجود ایک الگ مسئلہ ہے اور اس کا کس طرح استعمال ہو ایک دوسری چیز ہے۔ مثلاً نماز میں قراءت خصوصاً سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم ایک حقیقی چیز ہے، لیکن اگر کسی قراءت روکوں و سخود اور حالت تشدید میں پڑھی جائے تو اس کا حکم بالکل بدل جائے گا اور ثواب کی بجائے انٹاگناہ ہو گا۔ اس تفصیل کے بعد شاید اب کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ حاشا و کلّا ہم پیارے نبی ﷺ کے جادو مقام اور مرتبے کے منکر ہیں۔⁽ⁱⁱⁱ⁾

❸ حدیث الضریر (نابینا سے متعلق حدیث)

اس سلسلے کی سب سے مشور حدیث "حدیث الضریر" ہے جو سنن الترمذی وغیرہ میں حضرت عثمان بن حنفیہ بن حوش سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض پر داڑ ہوا کہ اے اللہ کے رسول! (مشیعیل) آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے شفادے (یعنی میری بینائی واپس آجائے)۔ آپ مشیعیل نے فرمایا:

((إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ وَإِنْ شِئْتَ أَخْرَجْتُ ذَاكَ فَهُوَ خَيْرٌ))

وَفِي رِوَايَةِ: ((وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ))

"اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے ذعا کروں اور اگر چاہو تو ذعا کو موخر کر دوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ مشیعیل نے فرمایا: "اور اگر صبر سے کام لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے"۔

لیکن اس شخص نے کہا کہ آپ ذعا فرمادیں۔ اس کی اس خواہش پر آپ مشیعیل نے

(iii) تفصیل کیلئے دیکھنے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "التوسل وأنواعه" ص ۲۷۱ تا ۲۹۶۔

اے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ ذعا کرے :

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسأَلُكَ وَاتْتَوْجَهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهُ إِلَيْكَ إِلَى زَيْنِ فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِي لِنِّي، اللَّهُمَّ فَشَفِعْهُ فِيَّ وَشَفِعْنِي فِيهِ)) (۱۱۲)

”اے اللہ! میں تیرے نبی جو سراپا نبی رحمت ہیں کے واسطے سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اے محمد! اپنی اس ضرورت کے لئے آپ کے ذریعے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری یہ ضرورت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! ان کی شفاعت کو میرے بارے میں قبول فرمادے (کہ میری بینائی واپس آجائے) اور میری شفاعت کو ان کے بارے میں قبول کر لے (کہ میرے بارے میں ان کی ذعا قبول ہو جائے)۔“

یہ ہے اس حدیث کا ترجمہ جو عام طور پر کسی کی ذات یا مقام و مرتبہ کے ویلے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن کچھ بات یہ ہے کہ یہ حدیث وسیله مردہ جسے متعلق دلیل نہیں بن سکتی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس حدیث پر دو پہلوؤں سے گفتگو کی جاتی ہے، سند کے اعتبار سے اور متن کے اعتبار سے۔
یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں مذکور ہے، لیکن اس کا متن نقل کرنے میں ہم نے علامہ البانی کی کتاب التوسل پر اعتماد کیا ہے۔

سند کے اعتبار سے اس حدیث کا جائزہ:

قدیم زمانے سے ہی یہ حدیث علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہی ہے، جس کی

(۱۱۲) سنن الترمذی : ۳۵۷۸ الدعوات، باب ۱۱۹، مسنند احمد : ۱۷۲۱۰، ج ۲، ص ۱۳۸۔ سنن ابن ماجہ : ۱۱۳۸۵ اقامۃ الصلاۃ، باب ۲۲۸۔ عمل انسیوم واللیلۃ للنسانی : ۶۵۹، ص ۳۱۷۔

وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تمام طرق کا دار و مدار ایک ایسے راوی پر ہے جس کی کنیت "ابو جعفر" ہے۔ بعض علماء نے انہیں ابو جعفر الرازی بتایا ہے اور بعض نے انہیں ابو جعفر الخطمی قرار دیا ہے۔^(۱۱۳) امام ترمذی برائی انہیں ابو جعفر الرازی قرار دیتے ہیں۔ صاحب مرعاۃ المفاتیح نے حافظ ابن حجر برائی کا بھی رجحان اسی طرف بتایا ہے^(۱۱۴) جبکہ امام ابن تیمیہ اور علامہ البانی برائی نے اس حدیث کے مختلف طرق پر نظر کر کر انہیں ابو جعفر الخطمی قرار دیا ہے۔^(۱۱۵) اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس طبقے میں دو راوی ابو جعفر کے نام سے مشہور ہیں، ایک الرازی اور دوسرے الخطمی۔ اور چونکہ عام طور پر روایات میں صرف ابو جعفر نہ کوہ رہے اس لئے اختلاف ناگزیر تھا۔

ابو جعفر کی اس نسبت کے اختلاف کے نتیجے میں یہ دو مختلف شخصیتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ابو جعفر الرازی عیینی بن ابی عیینی ہیں۔ ان کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف فیہ ہیں، بعض نے انہیں ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ مشہور راویوں سے منکر (شدید ضعیف) حدیثیں بیان کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر برائی نے تمام اقوال کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے کہ "صدق و سیئ الحفظ" یعنی پچھے ہیں، لیکن حافظہ بہت کمزور ہے۔^(۱۱۶) اور دوسرے ابو جعفر الخطمی ہیں۔ ان کا نام عمر بن یزید الانصاری ہے۔

(۱۱۳) سنن الترمذی، ج ۱۰، ص ۲۵۰ مع الشرح۔ اس سلسلے میں سنن الترمذی کے نسخ اشترانی ہیں۔ بعض نسخوں میں انہیں الخطمی کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۴) مرعاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۱۵۹، ۱۶۰۔ صیانۃ الانسان، ص ۱۳۰، ۱۳۲۔ السنن والمبتدعات، ص ۱۲۵، ۱۲۶۔

(۱۱۵) قاعدة جلیلہ، ص ۷۶۲ و بعدہا۔ التوسل، ص ۷۳، ۷۵۔

(۱۱۶) تہذیب التہذیب ج ۱۲، ص ۵۶، ۵۷۔ التقریب: ۸۰۱۹

ان پر علماء کے کلام کا خلاصہ حافظ ابن حجر نے "صدق" کے لفظ میں نقل کیا ہے، یعنی سچے ہیں۔^(۱۷) حافظ کے نزدیک یہ ادنیٰ درجے کی توثیق ہے، یعنی ایسے راوی کی حدیث صن ہوگی۔

ایک غیر جاندار محقق کے نزدیک بعض وجوہ کی بناء پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے راجح قرار پاتی ہے کہ ابو جعفر سے مراد ابو جعفر الخطمنی اور بعض دوسری وجوہات کی بناء پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ مذکورہ شخصیت ابو جعفر الرازی ہے۔ لیکن راقم السطور کی سمجھ میں ایک بات آتی ہے کہ ابو جعفر الخطمنی کے حافظے پر کسی کو کلام نہیں، لیکن ابو جعفر الرازی کو علماء نے کمزور حافظہ والا قرار دیا ہے۔ اب جبکہ مذکورہ حدیث کے سند و متن پر نظر ڈالتے ہیں تو اس قدر اختلاف نظر آتا ہے کہ بسا اوقات تطبیق کسی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔ اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ اختلاف ابو جعفر کے کمزور حافظے کا نتیجہ ہے، لہذا ہماری رائے میں وہ ابو جعفر الرازی ہے اور یہی رائے امام الترمذی کی ہے۔^(۱۸)

ہم یہاں پر سند کے حوالے سے ایک مثال پر آتفا کرتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر گزر اکہ اس حدیث کے تمام طرق کا دارود اور ابو جعفر پر ہے۔ اس حدیث کو ابو جعفر سے متعدد راویوں نے روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کو جب شعبہ اور حماد بن سلمہ اپنے استاد ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں تو ان کے شیخ کاظم عمارۃ بن خزیمہ بتلاتے ہیں اور جب ابو جعفر کے دوسرے شاگرد ہشام

(۱۷) تہذیب التہذیب ج ۸، ص ۱۵۱۔ التقریب: ۵۱۹۰

(۱۸) جسے تفصیل در کار ہو وہ مرعاۃ الفاتح، ج ۶، ص ۷۱۵ تا ۷۱۶ طبع لاہور اور کتاب

"الدُّعاء و منزلته من العقيدة الإسلامية" کامطالعہ کر لے۔

الدستوائی اور روح بن القاسم ان سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو ان کے استاذ کا نام ابو امامہ بن سمل بتلاتے ہیں۔ یہ اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابو جعفر نے اس حدیث کو ضبط نہیں کیا اور جب ضبطِ حدیث ہی مشکوک ثہرا تو حدیث پر کیوں نکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

قصہ مختصر جب اس حدیث کی صحت ہی علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے تو ویلہ جیسے اہم مسئلہ پر اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ عبد اللہ الرحمنی "اس حدیث کے سند و متن اور پس منظر پر ایک لمبی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

"اس پوری بحث کا حاصل یہ کہ ناپینا سے متعلق یہ حدیث ضعیف ہے جس سے استدلال جائز نہیں ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ اس حدیث کو عمارہ بن خزیمہ اور ابو امامہ بن سمل سے روایت کرنے والا راوی ابو جعفر ہے جو مجمل ہے، اہل علم کا ان کے بارے میں اختلاف ہے، اگر کچھ لوگوں نے انہیں ابو جعفر الخطمی بتایا ہے تو دوسرے علماء اسے ابو جعفر الرازی بتلاتے ہیں اور میرے نزدیک اس مسئلے میں کوئی فیصلہ کن بات واضح نہیں ہو سکی، اس لئے توقف بترے۔ ثانیاً اس لئے کہ ابو امامہ اور عمارہ کے شاگرد کثیر تعداد میں ہیں لیکن اس مختلف فیہ اور مجمل شاگرد کے علاوہ کسی اور شاگرد نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ اگر اس روایت کی کوئی اصل ہوتی تو دوسرے شاگرد بھی اسے روایت کرتے۔ ثالثاً دین کے اندر عقائد و احکام سے متعلق جو باقی خاص و عام میں معروف ہیں ان میں سے یہ مسئلہ بالکل الگ تھلک ہے، کیونکہ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ سے کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ذعا اور استغاش کے وقت کسی ذات و شخصیت کے حق یا جاہ و مقام کا وسیله لیا گیا ہو، اور نہ ہی کسی صحابی اور امام سے کوئی ایسی بات ثابت ہے۔"

ہاں! کچھ ضعیف اور موضوع روایات اس بارے میں ضرور آئی ہیں لیکن ایسی بے بنیاد روایات سے تو پانی اور وضو و طهارت کے متعلقہ سائل بھی ثابت نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ وسیلہ جیسا اہم مسئلہ ثابت کیا جائے۔” (۱۱۹)

متن حدیث کے لحاظ سے اس حدیث پر کلام:

اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی اس حدیث میں کسی کی ذات یا جاہ و مقام کے توسل کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کے متن پر غور کرنے کے بعد اس قصتے کی صحیح صورت حال یوں سامنے آتی ہے کہ ایک نابینا صاحبی خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنی بینائی کی واپسی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے ڈعا کی درخواست کرتے ہیں جس کے جواب میں آپ ﷺ نے دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کا انہیں موقع دیا۔ ایک تو یہ کہ وہ صبر سے کام لیں تو آخرت میں ان کے لئے بہتر ہے، کیونکہ خود آپ ﷺ کا فرمان حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

((إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِنِي بِحِينَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهَا الْجَنَّةَ،
يُرِيدُ عَيْنَيْهِ)) (۱۲۰)

”جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی آنکھوں کے بارے میں آزمائش میں ڈال دوں (یعنی اس کی بینائی چھین لوں) اور وہ صبر کر لے تو ان دونوں آنکھوں کے بد لے میں اسے جنت دوں گا۔“

(۱۱۹) مرعاة المفاتيح ج ۶، ص ۱۶۱۔ طبع لاہور با کستان

(۱۲۰) صحيح البخاری: ۱۵۴۵، المرضی، باب ۷۔ مسند احمد: ۱۴۲۵،

ج ۳، ص ۱۳۲، اعن انس بن مالک بن زیر

رسول اللہ ﷺ نے دوسری بات یہ فرمائی : ”او راگر چاہو تو میں ذعا کر دوں کہ اللہ تمہاری بینائی واپس کر دے ۔“ اس صحابی رسول نے کسی مصلحت کی بنیاد پر دوسری بات کا انتخاب کیا تو آپ ﷺ نے انہیں وضو کر کے دور کعت نماز پڑھنے کا حکم دیا جو کہ ذاتِ خود ایک بست براو سیلہ ہے ۔ اور یہ ذعا سکھلانی : اے اللہ ! میں نے تیرے نبی ﷺ سے ذعا کی درخواست کی ہے اور انہوں نے ذعا کا وعدہ بھی کیا ہے ، اس لئے آپ سے الجا ہے کہ ان کی شفاعت و ذعا میرے بارے میں قبول فرما کر میری بینائی واپس ہو جائے اور میری شفاعت و ذعا ان کے بارے میں قبول فرمایں کہ ان کی ذعا میرے بارے میں قبول ہو جائے ۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس شخص نے ایسا ہی کیا ۔ اور چونکہ آپ ﷺ نے ذعا کا وعدہ کیا تھا اس لئے یقیناً آپ ﷺ نے ذعا بھی فرمائی جس سے اس کی بینائی واپس ہو گئی ۔^(۱۲۱)

یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مفہوم جو اس حدیث سے واضح ہے ، نہ اس میں آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ ہے اور نہ ہی جاہ و منزلت کا ، بلکہ یہ وسیلہ کی ایک مشروع قسم ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے ۔ اسی لئے علماء نے اس واقعہ کو اللہ کے رسول ﷺ کے معجزات میں شمار کیا ہے ۔^(۱۲۲)

خلاصہ کلام یہ کہ سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کی صحت و ضعف سے متعلق دو عالموں کی رائے مختلف ہو سکتی ہے ، لیکن معنی و مفہوم کے سلسلے میں کسی اختلاف کی گنجائش نظر نہیں آتی ، کیونکہ وہ شخص خدمتِ نبوی میں صرف اسی

(۱۲۱) تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ البانی ریتوپور کی کتاب التوسل ص ۱۷۷-۱۷۸ ۔ مجموع فتاویٰ الشیخ ابن العثیمین ، ج ۲ ، ص ۳۲۸-۳۵۰ ۔

(۱۲۲) دیکھئے دلائل النبوة للبیهقی ج ۲ ، ص ۱۶۶ ۔

لئے حاضر ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی بینائی کی واپسی کی دعا کریں اور آپ ﷺ نے صبرنے کرنے کی صورت میں اس سے دعا کا وعدہ بھی کیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ آپ ﷺ نے اسے جو دعا سکھلائی اس میں بھی یہ جملہ سکھلایا کہ "اللَّهُمَّ شَفِعْنِي فِيهِ وَشَفِعْهُ فِيَ" اے اللہ ان کے بارے میں میری شفاعت یعنی دعا قبول فرمادیں اور میرے بارے میں ان کی شفاعت و دعا قبول فرمادیں۔

اب ہر صاحب ذوق سے سوال ہے کہ اس پورے قصے کی روشنی میں ان دونوں جملوں پر غور کرے کہ اس کا کیا معنی ہو سکتا ہے؟ کیا اس سیدھی سادھی عبارت کا مفہوم اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے کہ اے اللہ! تیرے نبی سے ہم نے دعا کی درخواست کی ہے اور انہوں نے دعا کا وعدہ بھی کیا ہے، اس لئے ان کے بارے میں میری سفارش قبول فرمادیں وہ جو کچھ دعا بھی میرے بارے میں کریں اسے قبول فرمائے اور ان کی شفاعت و دعا میرے بارے میں قبول فرمادیں میری بینائی واپس ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس پورے قصے میں کسی کی ذات، جاہ و منزلت اور وفات شدہ شخص کی دعا کے وسیلہ کے لئے کہاں سے گنجائش نکل سکتی ہے؟ اس لئے یہ حدیث، خواہ صحیح و حسن ہو یا ضعیف و مکر، کسی طرح بھی مردوجہ وسیلہ میں ذات وجاہ کے وسیلے پر دلیل نہیں بن سکتی۔

ایک ضروری وضاحت: اب تک کی بحث اس حدیث کے اس حصے سے متعلق تھی جو عام کتابوں میں موجود ہے اور اس کے صحت و ضعف کے سلسلے میں علماء کی رائے مختلف ہو سکتی ہے، لیکن اس حدیث کے بعض طرق میں کچھ ایسے اضافے ہیں ہے وسیلہ مردوجہ کے قائلین اپنے دعا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور بشرط صحت وہ کسی حد تک ان کی دشگیری بھی کر سکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

پسلا اضافہ : اس حدیث کے آخر میں اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((وَإِنْ كَانَتْ لَكَ حَاجَةٌ فَافْعُلْ)) (۱۲۳)

”جب بھی تمیس کوئی ضرورت پیش آئے تو ایسا ہی کیا کرو۔“

بظاہر اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملہ عہد نبویؐ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جب بھی کوئی ضرورت درپیش ہو یہ ذعاپڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ اضافہ صحیح نہیں ہے، اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ زیر بحث حدیث متعدد کتابوں میں متعدد اسانید سے مردی ہے، لیکن کسی کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس زیادتی کو صرف امام ابو بکر بن خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے جس کی سنداں طرح ہے : مسلم بن ابراهیم حدثنا حماد بن سلمہ عن ابی جعفر الر الخ

اس طرح اس سند میں دو کمزوریاں پائی جاتی ہیں :

- ① عالم محمد شین کا اس اضافے کے ذکر سے اعراض کرنا، جیسے کہ امام احمد بن حنبل، امام الترمذی، امام النسائی، عیاشیہ وغیرہم نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا۔
- ② اس حدیث کو ابو جعفر سے ان کے چار شاگردوں نے روایت کیا ہے : امام شعبہ، هشام الدستوائی، حماد بن سلمہ اور روح بن القاسم۔ بلکہ حماد بن سلمہ کے علاوہ کسی اور شاگرد نے اس اضافے کو روایت نہیں کیا۔ اور یہ اصول حدیث کا مسئلہ قاعدہ ہے کہ جب کم ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یعنی قابل اعتماد راوی کی مخالفت کرے یا ثقہ راویوں کی ایک جماعت کی مخالفت کرے تو ایسے راوی کی روایت شاذ یعنی غیر مقبول ہوتی ہے۔ (۱۲۳)

(۱۲۳) دیکھئے قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص ۹۸

(۱۲۴) تدریب الراوی ج ۱، ص ۲۳۲، ۲۳۳

اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ حماد بن سلمہ کے مقابلے میں باقی تینوں راوی زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد ہونے کے ساتھ ساتھ تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ اس لئے بلاشبہ یہ اضافہ غیر معتبر اور ضعیف ہے۔ (۱۲۵)

دوسرے اضافے : بعضی کی روایت حدیث کے مشور امام ابوالقاسم طبرانی رض نے اپنی مشور کتاب الجم الکبیر اور الجم الصغر کے اندر ابو جعفر سے روایت کی ہے، جس کے شروع میں ایک قصہ مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عیاش کی خدمت میں اپنی کسی ضرورت سے آتا لیکن حضرت عثمان بن عیاش اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے۔ ایک دن اس شخص کی ملاقات ایک مشور صحابی حضرت عثمان بن حنیف بن عیاش سے ہو گئی۔ حضرت عثمان بن حنیف سے اس نے اپنی شکایت کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ جا کر اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر یہ ذعا پڑھو: ”اے اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں، آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اپنے نبی حضرت محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں، کے ویلے سے۔ اے محمد! آپ کے ویلے سے میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری ضرورت پوری کر دے۔“ اور ذعا میں اپنی ضرورت کا ذکر کرو، اس کے بعد میرے پاس آؤ تو میں تمہارے ساتھ حضرت عثمان غنی بن عیاش کی خدمت میں چل کر تمہاری سفارش کرتا ہوں۔ وہ شخص گیا اور حضرت عثمان بن حنیف بن عیاش کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے حضرت عثمان بن عفان بن عیاش کے دروازے پر آیا۔ ابھی وہ دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دربان نے اس کا ہاتھ کپڑ کر حضرت عثمان بن عفان بن عیاش کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرت عثمان غنی بن عیاش نے اسے اپنے قربی بستر پر بٹھایا اور اس کی ضرورت سے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اپنی ضرورت

(۱۲۵) تفصیل کے لئے دیکھئے التوسل انواعہ واحکامہ ص ۸۲، ۸۳

بیان کی اور حضرت عثمان غنی بن عثمن نے اس کی ضرورت پوری فرمادی اور فرمایا کہ تمہارا کام مجھے بالکل بھول گیا تھا، ابھی ابھی یاد آیا ہے اور آئندہ جب بھی تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے میرے پاس چلے آنا۔ یہ شخص جب حضرت عثمان غنی بن عثمن کے پاس سے نکلا تو اس کی ملاقات عثمان بن حنیف بن عثمن سے ہوئی تو اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بتالیا کہ اب سے پہلے حضرت عثمان نہ تو میری طرف متوجہ ہوتے تھے اور نہ ہی میری ضرورت پر دھیان دیتے تھے، لیکن جب آپ نے ان سے میرے بارے میں بات کی تو میرا کام ہو گیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا: والله! ہم نے تو ان سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا... اخ - اس کے بعد زیر بحث پوری حدیث بیان فرمائی۔ (۱۴۶)

کسی کی ذات بالخصوص حضرت محمد ﷺ سے وسیلہ پر یہ قصہ دلیل صریح کی
دشیت رکھتا ہے اور چونکہ ایک صحابی کا عمل ہے اس لئے اپنی جگہ اس کا ایک
وزن بھی ہے، لیکن بطور دلیل اس قصے کو قبول کرنے میں کمی رکاوٹیں ہیں۔
① اس قصے کا دار و مدار ابوسعید المنکری پر ہے جن کا نام شبیب بن سعید ہے۔
انہوں نے اس قصے کو روح بن القاسم سے روایت کیا ہے اور روح بن
قاسم نے ابو جعفر سے۔ اور ابوسعید شبیب کے بارے میں علمائے جرج و
تعديل کی رائے ہے کہ ان کی صرف وہی حدیثیں مقبول ہوں گی جنہیں وہ
یونس بن یزید الالیلی سے روایت کریں اور ان سے ان کا بیٹا احمد روایت
کرے۔ شبیب کی روایت کے مقبول ہونے کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ
یونس بن یزید سے روایت کرتے وقت وہ اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کریں بلکہ

(١٢٦) معجم الطبراني الصغير /١٨٣-١٨٣- المعجم الكبير /١٨٣-

کتاب سے پڑھ کر روایت کریں۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو ان کی روایت ضعیف اور ناقابل قبول ہو گی۔ (۱۲۷)

اب محمد شین کی اس تصریح کو مد نظر رکھ کر جب اس قصہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہاں دونوں شرطیں مفقود دکھائی دیتی ہیں، کیونکہ شبیہ نے یہ حدیث نہ یونس بن یزید سے روایت کی ہے اور نہ ہی اپنی کتاب سے۔

② روح بن القاسم کے ایک دوسرے شاگرد عون بن عمارہ بصری نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، لیکن انہوں نے اس قصہ کا ذکر نہیں کیا۔ (۱۲۸)

③ اس ضعیف قصہ کے علاوہ کوئی دوسرا قصہ عہدِ صحابہ سے نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے اس قسم کا وسیلہ استعمال کیا ہو، جبکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جو عام طور پر لوگوں کو درپیش رہتا ہے، کسی کی آنکھ متاثر ہوتی ہے، کسی کا کان بیماری سے دوچار ہوتا ہے تو کسی کے پاؤں میں تکلیف ہوتی ہے، لیکن ان تمام ضروریات کے باوجود کسی صحابی نے بھی اس حدیث پر عمل نہیں کیا، جس کا صاف مطلب ہے کہ یہ قصہ عہدِ صحابہ میں مشور نہیں تھا، اور اگر معروف تھا تو عام نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص تھا۔

④ عہدِ فاروقی میں تحطیق پر اتوانہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مذکور کی ذعا کا وسیلہ لیا، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ قصہ صحیح ہوتا یا بشرط صحت عمومی حیثیت رکھتا تو حضرت فاروقؓ اعظم بنی اسرائیل اس سے کیوں اعراض فرماتے؟

(۱۲۷) دیکھی تفصیل الکامل فی الضعفاء ج ۲، ص ۳۲۶۔ میزان الاعتدال ج ۲، ص ۲۶۲۔ مقدمہ فتح الباری، ص ۳۰۹ وغیرہ۔

(۱۲۸) مستدرک الحاکم ج ۱، ص ۵۲۶۔

اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ قصہ ضعیف اور غیر مقبول ہے۔

خلاصہ : اس پوری بحث کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر بحث حدیث کسی کی ذات کا وسیلہ پکڑنے میں جنت نہیں بن سکتی، کیونکہ :

① اس حدیث کی صحت علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے، اس لئے اسے وسیلہ چیزے اہم موضوع کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

② اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے وسیلہ شروع کی تیسری صورت ہی ثابت ہوتی ہے، یعنی کسی نیک انسان کی ذعا کا وسیلہ۔

③ اس کے شروع اور آخر میں جواضائے ہیں ان سے وسیلہ مروج کے لئے کسی حد تک استدلال کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ احادیث شدید ضعیف و شاذ ہیں لئنہ استدلال کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

④ صحابہ و تابعین اور ائمہ کرام کی سیرتوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کے ہاں ذات و جاہ کے وسیلے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

⑤ مصائب و پریشانی اور بیماری و آزاری ایک ایسی چیز ہے جو ہر معاشرے اور ہر ماحول کا جزو لا یقٹ ہے اور ہر شخص کا اس سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن کسی بھی صحابی و تابعی سے اس قسم کا وسیلہ ثابت نہیں ہے۔

ان وجہوں کے علاوہ زیر بحث حدیث کے ضعیف اور ناقابل قبول ہونے کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”قاعدۃ جلیلۃ“ کا مطالعہ کر لے۔

❶ حدیث عرض الاعمال (اللہ کے رسول ﷺ پر اعمالِ اُمت کا پیش کیا جانا)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا :

((إِنَّ اللَّهَ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سَيَّا حِينَ يَبْلُغُونَنِي مِنْ أُمَّتِي

السلام (۱۲۹)

”زمیں میں اللہ تعالیٰ کے کچھ گھونٹے پھرنے والے فرشتے ہیں جو میری امت کا ارسال کردہ سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔“

حدیث کے دوسرے حصے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((حَيَاْتِنِي خَيْرٌ لَكُمْ تَحْدُثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِنِي خَيْرٌ
لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَى أَعْمَالِكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ
اللَّهَ عَلَيْهِ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لَكُمْ)) (۱۳۰)

”میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے، تم نے کام کرتے ہو اور تمہیں ان کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے، جو میں اچھا دیکھوں گا اس پر اللہ کی حمد بیان کروں گا اور جو غلط کام نظر آئیں گے تو تمہارے حق میں استغفار کروں گا۔“

چونکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ پر بندوں کے تمام اعمال کے پیش کئے جانے کا ذکر ہے اور یہ کہ بندوں کے بڑے اعمال پر اللہ کے رسول ﷺ پر بندوں کے بعد بھی کریں گے اس لئے بت سے بھائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست کی جاسکتی ہے اور آپ ﷺ کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔ لیکن مذکورہ حدیث کو وسیلہ جیسے اہم موضوع پر دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، جس کا اندازہ درج ذیل

(۱۲۹) سنن النسائي، كتاب السهو، باب السلام على النبي، ح ۱۲۸۱۔ امام البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح سنن النسائي، ح ۱۲۱۵۔ مسند احمد ۱/۲۸۶ ج ۲۲۶۔

(۱۳۰) مسند البزار [کشف الاستار] ج ۸۲۵، ص ۲۹۷

تفصیل سے آسانی کیا جا سکتا ہے۔

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کے ایک راوی عبد الجید بن عبد العزیز بن ابی رقا در پر محمد شین نے کلام کیا ہے، حتیٰ کہ امام ابن حبان برائی نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ امام عماری برائی نے بھی اس کا ذکر کتاب الفتناء میں کیا ہے۔^(۱۳۱)

(۲) زیر بحث حدیث کو عبد الجید نے حضرت سفیان ثوریؓ سے روایت کیا ہے۔ اور جن ابتدائی جملوں کے ساتھ عبد الجید نے حدیث بیان کی ہے اس سیاق کے ساتھ سفیان ثوریؓ کے دس شاگردوں نے بھی حدیث روایت کی ہے جن میں عبد الرحمن بن مهدی، ابن القطان، عبد اللہ بن مبارک وغیرہم جیسے بڑے بڑے امام بھی شامل ہیں، لیکن کسی نے بھی ابتدائی جملوں کے بعد اگلے اضافے کو ذکر نہیں کیا ہے^(۱۳۲)۔ معلوم ہوا کہ اس اضافے کو بیان کرنے میں عبد الجید تھا ہیں۔ اس لئے اگر عبد الجید کو شقہ مان بھی لیا جائے تو بھی یہ حدیث مصطلحات الحدیث کے اعتبار سے شاذ ہو گی جو ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔

امام بزارؓ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس علت و کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے اور حافظ ابن کثیرؓ نے بھی ان کی تائید کی ہے۔^(۱۳۳)

(۳) اگر عبد الجید کو شقہ تسلیم کر لیا جائے، جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے، تو بھی

(۱۳۱) دیکھیے المحر و حین ج ۲، ص ۱۶۰۔ الضعفاء الصغير، ص ۲۲۹۔
الكامال في الضعفاء ج ۵، ص ۱۹۸۲

(۱۳۲) تفصیل کے لئے دیکھیے الدعاء و منزلته من العقيدة الإسلامية ج ۲،
ص ۶۱۷ اور اس کے بعد۔

(۱۳۳) دیکھیے کشف الاستار ج ۲، ص ۳۰۲۔ البداية والنهاية ج ۵،
ص ۲۲۱

ان کی حدیث صحت کے سب سے نچلے درجے کی ہوگی (۱۳۳) جسے عقیدہ جیسے اہم مسئلہ پر بطور دلیل نہیں پیش کیا جاسکتا، خاص طور پر ایسی صورت میں کہ عبد الجید عقیدہ کے طور پر مرجحی (۱۳۴) تھے، بلکہ اپنے مذہب میں سخت تھے اور اس کی تبلیغ بھی کرتے تھے، اور یہ حدیث ان کے مذہب کی کسی حد تک تائید کرتی ہے۔ (۱۳۵)

سواد بن قاربؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ②

امام حاکم اور امام بیہقی بریخینا نے سواد بن قاربؓ کے اسلام لانے کا جو تفصیلی قصہ روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ اسلام لانے کے بعد سواد بن قاربؓ نے نعمتِ نبی میں ایک قصیدہ پڑھا، جس میں ایک شعریہ بھی تھا کہ -

وَإِنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ وَسِيلَةً

إِلَيِّ اللَّهِ يَا أَبْنَى الْأَكْرَمِينَ الْأَطَابِ (۱۳۶)

(۱۳۳) کیونکہ حافظ ابن حجر روتور نے عبد الجید کے بارے میں تمام محدثین میں کے کلام کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے کہ : ”صدوق یخطی و کان مر جننا“ (تقریب التہذیب: ص ۳۶۱، ج ۲۱۲۰) یعنی ”چھے ہیں، غلطیاں کرتے تھے اور عقیدہ کے لفاظ سے فرقہ مرجع سے متعلق تھے“۔ اور صدو ق یخطی سب سے بلکہ درجے کی توثیق ہے۔ (دیکھئے مقدمہ التقریب: ۷۸) علماء کے نزدیک ایسے راوی کی حدیث اس وقت قبول ہوگی بلکہ ثابتات کی موافقت میں ہو۔

(۱۳۴) مرجع اس فرقے کو کہتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ بندے کی نجات کے لئے صرف ایمانِ اتنا کافی ہے، عملِ ضروری نہیں۔

(۱۳۵) تفصیل کے لئے دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الضعیفة نلائیانی: ۹۷۵۔ اندیعاء و مکانتها ج ۲، ص ۵۹-۸۱۔

(۱۳۶) مستدرک الحاکم ج ۳، ص ۲۱۰-۲۰۸۔ دلائل النبوة للبیهقی ۲/ ۲۵۱

”اور اے پاک و شریف خاندان کے بیٹے! دوسرے نبیوں کے مقابلے میں آپ اللہ تک پہنچنے کے سب سے قریبی و سیلہ ہیں۔“

چونکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کو وسیلہ یا بعض روایات میں شفاعت کہا گیا ہے اس لئے بعض لوگوں نے اس حدیث کو وسیلہ مرد جہ کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کو اصولِ حدیث کی بھی میں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس میں کھرا پن کماں تک اور ملاوٹ کس مقدار میں ہے، تاکہ لوگوں کے سامنے حقائق واضح ہو جائیں۔

① علماء و محدثین کے نزدیک یہ حدیث سخت ضعیف بلکہ موضوع کے قریب ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تینوں کتابوں میں اسے منکر^(۱۳۸) اور سخت ضعیف کہا ہے۔ تلخیص المستدرک^(۱۳۹) میں اسے منقطع اور السیرۃ النبویة^(۱۴۰) میں ”منکر بمَرَّةٍ“ یعنی سخت ضعیف کہا ہے، بلکہ تاریخ کبیر میں تو فرماتے ہیں کہ :

هذا حديث منكر بالمرة، محمد بن تراس وزياد مجھولان لا تقبل راویتهما واحف ان يكون موضوعاً على ابى بكر بن عياش^(۱۴۱)

”یہ حدیث سخت منکر ہے، اس کی سند میں دو راوی محمد بن تراس اور زیاد مجھول اور غیر معروف ہیں جن کی حدیث مقبول نہیں ہے، اور مجھے

(۱۳۸) اصطلاحِ محدثین میں منکروہ حدیث ہوتی ہے جسے کوئی ضعیف راوی کسی پچھے اور باعتماد راوی کے بر عکس روایت کرے۔ تدریب الراوی ج ۱، ص ۲۲۰۔

(۱۳۹) تلخیص المستدرک مع المستدرک ج ۳، ص ۴۰۹

(۱۴۰) السیرۃ النبویة ص ۱۳۰

(۱۴۱) تاریخ الاسلام ج ۱، ص ۲۰۶

ذرہے کہ کسی نے اس حدیث کو گھر کر ابو بکر بن عیاش کے نام سے مشور کر دیا ہے۔^(۱۳۲)

علاوه ازیں امام ابو بکر بن یعنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔^(۱۳۳)

② اور اگر سند کے اعتبار سے یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس کے معنی میں کوئی ابھسن نہیں ہے، کیونکہ یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ وسیله کے دو معنی لغت میں مذکور ہیں: قربت و نزدیکی اور ذریعہ و سبب۔ ان دونوں معانی کو سامنے رکھ کر جب اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو، بشرط صحت، درج ذیل مفہوم ہوں گے:

ا) اللہ کے رسول مُتَهَبِّل کو جو قرب و منزلت اللہ کے نزدیک حاصل ہے وہ کسی دوسرے فرد کو حاصل نہیں ہے۔

بساطِ کلمشان میں ہے کمندِ ارتقاءٰ تیری
ترے مرغِ تخیل سے نہ آگے بڑھ سکے رہرو!
اس طرح اس شعر کا ترجمہ ہوا کہ
”انبیاء و زمل کے مقابلے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب
حاصل ہے۔“

اور یہ معنی از روئے اصولِ شرع صحیح ہے۔

ب) رسول اللہ مُتَهَبِّل کے ذریعے ہی لوگوں نے اپنے رب کو پہچانا، آپ مُتَهَبِّل ہی کے وسیلے سے شرک و بدعت کے فرق کو سمجھا، کفر و الحاد کا فرق آپ مُتَهَبِّل نے ہی لوگوں کو سمجھایا، آپ مُتَهَبِّل ہی کے واسطے سے اللہ نے لوگوں کو قرآن مجید جیسی مبارک کتاب عطا فرمائی، اور سب سے اہم بات تو یہ ہے

(۱۳۲) مجمع الزوائد ۸/۲۵۰۔ تفصیل کیلئے دیکھئے التوصل الی حقیقة التوصل ص ۲۰۸-۳۰۸ اور الدعاء و مکانتہ من العقيدة ۲/۸۷ اور اسی کے بعد۔

کہ آپ مسیحیم کی بعثت کے بعد آپ مسیحیم پر ایمان لائے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں ہے، حشر کے میدان میں بھی آپ مسیحیم ہی کی شفاعت سے لوگوں کا فیصلہ ہو گا، حتیٰ کہ آپ مسیحیم ہی کی سفارش سے جنت کا دروازہ مومنین کے لئے کھولا جائے گا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ آپ مسیحیم سے بڑھ کر اور کون وسیلہ بن سکتا ہے؟ لیکن یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ وسیلہ کا بتو مفہوم بعض لوگوں نے سمجھا ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہے۔ اور یہ حدیث اگر صحیح بھی مان لی جائے تو بھی کسی طرح ان کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

۸ قوتِ تذكرة کی روایت

ابوالشخ الاصفهانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ثواب الاعمال میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق بن عوف خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مسیحی! میں قرآن کو بھول جاتا ہوں۔ آپ مسیحیم نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو :

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّكَ وَإِبْرَاهِيمَ حَلِيلَكَ
وَمُوسَى نَجِيلَكَ وَعِيسَى كَلْمَتَكَ وَرُؤْحَكَ وَبَرْوَرَةً مُؤْسَى
وَأَنْجِيلَ عِيسَى وَفُرْقَانَ مُحَمَّدٍ وَبِكُلِّ وَحْيٍ أَوْحَيْتَهُ
وَقَضَاءً قَضَيْتَهُ (۱۳۳)

”اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی محمد، تیرے خلیل ابراہیم، تیرے کلیم موسیٰ، تیرے کلمے اور روح عیسیٰ (علیہم السلام) موسیٰ کی تورات، عیسیٰ کی انجیل، محمد مسیحیم کے قرآن کے وسیلے

(۱۳۳) قاعدة حلیلة في التوسل والموسيلة ص ۸۲۔ الالاكي المصنوعة

سے اور ہر اس وحی کے وسیلے سے جو آپ نے کسی کی طرف بھیجی ہے اور اس فضیلے کے وسیلے سے جو آپ نے کیا ہے۔ الی آخر الدعا۔

بظاہر یہ حدیث انبیاء و رسول ﷺ کی ذات کا وسیلہ یعنی پرواضع دلیل ہے، لیکن حق یہ ہے کہ بااتفاق محدثین یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، تمام علماء نے اسے موضوع قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الملک بن ہارون بن عتنۃ ہے جسے انہم حدیث نے سخت ضعیف بلکہ حدیثین گھڑنے والا بتایا ہے۔^(۱۳۳) اسی طرح اس حدیث کو عبد الملک بن ہارون نے اپنے باپ ہارون بن عتنۃ کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ہارون کے بارے میں امام دارقطنی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔^(۱۳۴)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث موضوع ہے، چنانچہ امام ابن الجوزی، امام ابن تیمیہ، امام السوطی اور ابن عراق وغیرہم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔^(۱۳۵)

(۱۳۳) دیکھئے الضعفاء الصغير للبخاری : ج ۲، ص ۲۱۸۔ الكامل لابن عدى ج ۵، ص ۱۹۲۲۔ میزان الاعتدا للذہبی ج ۲، ص ۲۲۱ وغیرہ۔

(۱۳۴) الضعفاء والمتروكون للدارقطنی، ص ۲۸۷

(۱۳۵) دیکھئے الموضوعات لابن الجوزی ج ۳، ص ۱۴۲۔ قاعدة حلیلة لامام ابن تیمیہ، ص ۸۲، ۸۳۔ الالانی المصنوعة للمسیو ضی ج ۲، ص ۱۴۳۔ تنزیہ الشریعة ج ۲، ص ۳۲۲۔

امام ابو القاسم طبرانی نے اس معنی و مفہوم کی ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لقول کی ہے۔ بعض طلبہ کو اس پر عمل کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے، اس لئے اس کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم کو بھی یاد رکھنا چاہتا ہے اسے چاہئیے کہ شیخیت کے کسی صاف برتن پر شد، زعفران اور بارش کے پانی سے یہ دعا اللہ کرنہ امر منہ پنے اور تین دن کا روژہ رکھے۔

❾ خبر کے یہود کا اللہ کے رسول ﷺ کا وسیلہ لینا

سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۹ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ غطفان کے مشرکین اور خبر کے یہود کے درمیان لڑائی کا سلسلہ جاری تھا جس میں غطفان کو فتح اور یہود کو شکست ہوتی تھی۔ ایک بار یہود نے آپس میں کہا کہ آؤ اپنی اس لڑائی میں محمد کے ویلے سے فتح مانگیں، اور جب انہوں نے یہ دعا پڑھی تو ان کی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔

اللَّهُمَّ إِنَا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأَمْرِيِّ الَّذِي وَعَدَنَا
 أَنْ تُخْرِجَنَا فِي أَخْرِ الزَّمَانِ إِلَّا نَصْرَنَا عَلَيْهِمْ
 ”اے اللہ! ہم آپ سے نبی اپنی کے حق کے حوالے سے سوال کرتے

← اور اسی سے افظار کرے اور ہر فرض نماز کے بعد بھی اس دعا کو پڑھے:

اللَّهُمَّ انِّي اسْأَلُكَ بِأَنْكَ مسْئُولٌ لِمَ يَسْأَلُ مثْلُكَ وَلَا يَسْأَلُ وَاسْأَلْتُ بِحَقِّ
 مُحَمَّدٍ رَسُولَكَ وَنَبِيِّكَ وَابْرَاهِيمَ خَلِيلَكَ وَصَفِيفَكَ وَمُوسَى كَنْيِمَثُ وَ
 نَحِيْكَ وَعِيسَى كَلْمَتَكَ وَرَوْحَكَ الَّتِي أَخْرَ الدُّعَاءِ (كتاب الدعاء
 للإمام الطبراني: ج ۲، ص ۳۲۲)

”اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ آپ ہی سے مانگا جاتا ہے۔ ن آپ بتا پلے کسی اور سے سوال ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو گا۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے نبی و رسول محمد ﷺ کے حق کے واسطے سے، آپ کے خلیل و صفائی ابراہیم پیغمبر کے واسطے سے، آپ کے کلیم اور سرگوشی کرنے والے موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اور آپ کے کلے اور روح بیکی علیہ السلام کے واسطے سے۔“

ایکیں یہ حدیث بھی من گھڑت ہے، کیونکہ اس کا وارودہ ایک راوی موسیٰ بن عبد الرحمن الصنعاوی پر ہے جسے امام ابن عدی بریشمی نے مکرراً حدیث، امام ابن حبان بریشمی نے وجہ اور امام ذہبی بریشمی نے بالک اور وجہ کہا ہے۔ دیکھئے الکامل فی الضعفاء ج ۶، ص ۲۲۲۸۔ المعنی فی الضعفاء ج ۲، ص ۲۲۲۔ لسان المیزان ج ۶، ص ۲۲۲۔

ہیں جس کے بارے میں آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آپ اسے آخری زمانے میں مبعوث فرمائیں گے، تو آپ ہمیں کافروں کے مقابلہ میں فتح نصیب فرمائیں۔”^(۱۳۷)

اور جب اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہود نے آپ ﷺ کا انکار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلٍ يَسْتَفْسِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا
جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكُفَّارِ^(۱۳۸)

(البقرة: ۸۹)

”اور ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب آگئی جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی تھی، حالانکہ پہلے یہ خود اس کے ذریعے کافروں پر فتح کی دعا نہیں مانگا کرتے تھے، تو باوجود آجانے اور باوجود جان لینے کے پھر بھی کفر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔“^(۱۳۷)

یہ حدیث بھی سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے، کیونکہ اس حدیث کا ذرا رومدار عبد الملک بن ہارون بن عنترہ پر ہے اور قریب ہی گزر اکہ عبد الملک اور ان کے باپ جھوٹے اور غیر معترروں ہیں، بلکہ حدیثیں گھڑ کر بیان کرتے تھے۔ امام حاکم روزگیر نے اپنی کتاب المدخل میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اپنے والہ سے گھڑی ہوئی حدیثیں بیان کرتا تھا۔^(۱۳۸)

پھر تجھ ہے کہ امام حاکم روزگیر نے اسی عبد الملک بن ہارون کی حدیث کو اپنی

(۱۳۷) الشريعة للاجری، ص ۲۷، ۲۳۸، ۲۳۸۔ مستدرک الحاکم ج ۲، ص ۲۶۳۔ دلائل النبوة للبيهقي ج ۲، ص ۲۶، ۲۷۔

(۱۳۸) المدخل ج ۱، ص ۱۷۰۔

اس کتاب میں جگہ دی ہے جسے صرف صحیح حدیثوں کے لئے خاص کیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ امام حاکم[ؓ] کو اس کا احساس ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ تفسیر کے بیان میں ضرورت کے تحت اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے، حالانکہ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر^{رحمۃ اللہ علیہ} نے امام حاکم کے اس عذر کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ امام ذہبی^{رحمۃ اللہ علیہ} امام حاکم کی تردید میں فرماتے ہیں کہ :

لا ضرورة في ذلك فعبد الملك متوك هالك^(۱۴۹)

”اس حدیث کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں“، کیونکہ عبد الملک متوك اور ہالک ہے۔^(۱۵۰)

حافظ ابن حجر^{رحمۃ اللہ علیہ} کا الجھ اور بھی سخت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کو یحییٰ بن معین کذاب اور برا جھوتا کہیں صحیح میں استدر را کٹ کے لئے اس کی حدیث کے اخراج کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، یہ تو گھنیاد رجے کا ایک بہانہ ہے۔^(۱۵۱)
اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف اور موضوع ہے جس سے استدلال جائز نہیں ہے۔

(۱۴۹) تلخیص المستدرک ج ۲، ص ۲۶۳۔

(۱۵۰) متوك اور ہالک وغیرہ الفاظ اس راوی کے لئے استعمال ہوتے ہیں جو بہت ہی مختلط کا ہو۔ دیکھئے میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۔ و مقدمۃ التقریب، ص ۳۔

لے استدر را کے معنی ہیں کسی کے ادھورے کام کو پورا کرنا۔ امام الحاکم کی کتاب کا نام المستدرک ہے۔ اس کتاب میں ان کا اصول یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے معیار کی جو حدیثیں ان میں بیان ہونے سے رہ گئی ہیں انہیں میں اپنی کتاب میں جمع آردوں کا۔

ابن نورا

(۱۵۱) الدعاء و منزلته ج ۲، ص ۲۸۸ نقلاً عن العجائب في بيان الأسباب۔

اب تَكَ کی بحث اس حدیث کی سند سے متعلق تھی اور آگے بڑھ کر جب اس کے معنی پر غور کرتے ہیں تو یہ سبب نزول اور معنی مفسرین کی طرف سے بیان کئے گئے سبب نزول اور معنی کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام المفسرین ابن جریر طبری رض اپنی تفسیر میں مشور انصاری تابعی عاصم بن عمر بن قابوہ رض سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت ہمارے اور یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ جاہلیت میں ایک زمانے تک ہم یہود کو مغلوب و ذلیل کئے رہے، اُس وقت ہم لوگ اہل شرک کھلاتے اور یہود اہل کتاب کھلاتے تھے۔ وہ ہم سے کھا کرتے تھے کہ اب ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آگیا ہے، جب وہ آئے گا تو ہم اس کی اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمیس قوم عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ لیکن جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت قبلیہ بنا سرا میل کے بجائے قبلیہ قریش میں ہوئی تو ہم لوگوں نے بڑھ کر آپ ﷺ کی اتباع کر لی اور یہود نے حسب و نسب کے چکر میں آ کر آپ ﷺ کا انکار کر دیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔^(۱۵۲)

اس اثر سے ملتے جلتے اور آثار بھی متعدد علمائے تفسیر سے امام الہبری رض نے نقل کیے ہیں، لیکن کسی ایسے اثر کی طرف اشارہ بھی نہیں ملتا جو اس من گھڑت اور خود ساختہ سبب نزول کی تائید کر رہا ہو۔

(۱۵۲) تفسیر جامع البيان: ۵۵۵ ص ۳۵۵۔ نیز تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۵۔

تیسرا بحث : قصوں اور خوابوں سے استدلال

نمکورہ آیات و احادیث کے علاوہ وسلہ مروجہ کے قائلین کو بعض قصوں اور خوابوں سے بھی شبہ ہوا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی ساری بنیاد ہی تقریباً قصوں اور خوابوں پر ہے تو غلط نہ ہو گا^(۱۵۳)۔ اور چونکہ قصص و حکایات اور خواب انسانی ذہن پر اپنا ایک اثر رکھتے ہیں اس لئے عام لوگ بڑی آسانی سے ایسی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں، حالانکہ قصوں اور خوابوں سے متعلق چند اصولی باتوں کا نظر رکھنا ضروری ہے۔

① جو لوگ بزرگوں سے متعلق قصے اور خواب سنتے ہیں اور عقیدت مندی میں انہیں اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنالیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان قصوں کو قرآن و حدیث پر پیش کریں، اگر وہ قرآن و حدیث سے مطابقت رکھیں تو قابل قبول سمجھیں، ورنہ انہیں رد کر دیا جائے، خواہ یہ قصے کتنی ہی عظیم شخصیت سے متعلق ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صرف کتاب و نست کی اتباع کا مکلف بنایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (مُحَمَّد: ۳۲)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال کو بر بادنہ کرو۔“

(۱۵۳) دیکھئے ابو عبد الرحمن جیلانی اعروی کی کتاب الدعا، و منزانتہ میں (عقیدۃ

ج ۲، ص ۸۱۰)

اور اس سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمان قرآن و حدیث کے احکام کو ایک طرف رکھ دے اور قصوں و خواہبوں پر اعتماد کرنے لگے۔ شاید بنی اسرائیل کی بیبی وہ حالت ہے جس کا ذکر درج ذیل حدیث میں آیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

((إِنَّ بَنَى إِسْرَائِيلَ لَمَا هَلَكُوا قَصُّوا)) (۱۵۲)

”بنی اسرائیل جب ہلاکت کے راستے پر چل پڑے تو قصہ گوئی میں مشغول ہو گئے۔“

یعنی کتابِ الہی اور سنتِ رسول سے ہٹ کران کا اعتماد قصوں پر ہو گیا۔

(۱) قصوں کے بیان کے سلسلے میں عام طور پر نہ ہی وقت نقل کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ ہی صحت کا، بلکہ اس میں مبالغہ آمیزی اور بناوت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ دیکھیں گے کہ بسا اوقات ایک ہی قصہ اتنے مختلف الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے کہ عام قاری کے لئے اصل حقیقت تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے، بلکہ سطحی نظر کرنے والے لوگ اسے متعدد قصے خیال کرتے ہیں۔

(۲) بسا اوقات قصہ کا راوی اختصار یا تفصیل کی غرض سے بعض ایسے الفاظ کا اضافہ یا کمی کر دیتا ہے جس سے اصل قصہ کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور وہ حق و توحید پر دلیل بننے کے بجائے باطل و شرک کے لئے دلیل بن جاتا ہے، کیونکہ شخص و حکایات کے نقل کرنے میں علماء نے اس وقت نقل کا اہتمام نہیں کیا ہے جو احادیث رسول ﷺ نے نقل کرتے وقت کیا کرتے تھے۔

(۱۵۲) النبیرانی الكبير : ۳۰۵، ج ۳، ص ۸۰۔ حدیث الاولیاء ج ۲، ص ۳۲۲ عن حباب بن ارت خنزیر۔ امام ابو بکر بن شیعی [جمع الزوائد] ص ۱۹۹۔ امام سیوطی [جامع الصغیر] ۲۲۵۵ اور علامہ البانی [رسیع] نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ بیکھے سلسلة الاحاديث الصحيحة : ۱۲۸۱

۲) اگر کوئی ایسا قصہ ہمارے سامنے آیا کہ اس میں کسی کی ذعا سے کوئی خراود پوری ہو جانے کا ذکر ہے تو اس کے لئے نہ تو یہ ضروری ہے کہ وہ شخص مؤمن ہو اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ وہ ذعا کے پورے آداب کو ملاحظہ رکھتا ہو، بلکہ بسا اوقات انسان کی ذعا اللہ تعالیٰ اس لئے قبول کرتا ہے کہ وہ بے کسی اور حالتِ اضطرار میں ہوتا ہے، کیونکہ ذعا کی قبولیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت سے ہے جس طرح کہ اس کا تعلق اس کی شانِ الوبیت سے ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

كُلًا نِمَدْ هُؤْلَاءِ وَهُؤْلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۝ وَمَا كَانَ

عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ (الاسراء: ۲۰)

”ہر ایک کو ہم بھم پہنچائے جاتے ہیں تیرے رب کے انعام سے، انسیں بھی اور انہیں بھی، تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ
وَيَجْعَلُكُمْ خَلِفَاءَ الْأَرْضِ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُعْلِمِينَ
تَذَكَّرُونَ ۝ (النَّمَاء: ۶۲)

”بے کس کی پکار کو جب وہ پکارے کون قبول کر کے بختنی کو دوڑ رکرتا ہے، اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبدوں سے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔“

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں، لیکن بطور اختصار ان ہی دو آیتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر ان دونوں آیتوں کو ان کے سیاق و سبق میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اس کی نعمتیں مؤمن و کافر ہر ایک کے لئے عام ہوں۔ علی سبیل المثال سورۃ الاسراء کی مذکورہ

بالا آیت کو لیجئے۔

اس آیت کا مدعایہ ہے کہ دنیا چاہنے والوں اور آخرت چاہنے والوں کا انجام کیا ہو گا۔ اس سے پہلی آیات میں فرمایا گیا کہ جو شخص دنیا کا طالب ہوتا ہے اسے ہم اس دنیا سے ایک حصہ دیتے ہیں، لیکن اس کی خواہش کے مطابق نہیں، بلکہ جتنا ہم اس کے لئے فیصلہ کریں، پھر اس کا نہ کانہ جنم ہے۔ البتہ جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اور اپنی طلب میں مغلص اور مُقْبِعِ نشت بھی ہوتا ہے تو اس کی طلب کی پوری قدر دافنی کی جائے گی اور آخرت میں اسے بے حساب اجر سے نوازا جائے گا۔ اور جہاں تک دنیاوی نعمتوں کا تعلق ہے تو دنیا کا رزق اور آسمانیش بنا تفریقِ مؤمن و کافر سب کو ملتی ہیں، کسی سے رکی ہوئی نہیں ہیں۔

دوسری آیت (النمل: ۶۲) اپنے مدعائے ثبوت میں اور بھی واضح ہے، کیونکہ یہ سورتِ کلی ہے اور اس میں خطاب بھی مشرکین سے ہے کہ حضرات! تمہیں یہ تو اقرار ہے کہ وہی اللہ ہے جسے شدائد کے وقت پکارا جاتا ہے، مصیبتوں کے وقت اس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، لاچار و بے کس اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہی بے کس و مضطرب کی ذغاوں کو سنتا ہے۔ اس تمام اقرار کے باوجود پھر اس کے ساتھ شرک کیوں کرتے ہو؟

⑤ بسا و تقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ذغا (اگرچہ اس نے صحیح وسیله استعمال نہ کیا ہو) اس لئے بھی قبول کرتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو آزمائش اور فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَنِيءٍ
حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا آخَذْنَاهُمْ بَعْتَدًا فَإِذَا هُمْ مُثْبَسُونَ

(الانعام: ۲۲)

”پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی

تحقیق توہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ انسیں ملی تھیں وہ خوب اترائے توہم نے ان کو یا کیک پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔^(۱۵۵)

اس دنیا میں کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ بندے نے ذعا کے ذریعے ایک چیز کا مطالبه کیا، اللہ نے اس کی ذعا کو قبول بھی کر لیا، حالانکہ نتیجتاً وہی چیز اس کی ہلاکت و برپادی کا سبب بن گئی۔^(۱۵۶)

⑥ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جب بندہ ذعا میں کوئی غیر شرعی طریقہ استعمال کرتا ہے، خصوصاً جبکہ وہ طریقہ شرک و کفر ہو تو شیطان اس کی مراد پوری کرنے میں کوشش ہوتا ہے اور بندہ کوئی مادی چیز طلب کرتا ہے تو وہ اسے لا کر حاضر بھی کر دیتا ہے تاکہ اسکے ذریعے وہ بندے کو صحیح راستے سے بھٹکا دے۔^(۱۵۷)
شیطان کا یہ وہ حریب ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھتے، حالانکہ راقم سطور کے ذہن میں متقدمین و متاخرین کے متعدد سچے واقعات ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے ان سے تعریض نہیں کیا جا سکتا۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ مجموع فتاویٰ از شیخ الاسلام،
ج ۷۱ اور عالم الجن والشیاطین تالیف عمر بن سلیمان الاشقر کا مطالعہ کرے۔ امام ابن الجوزی کی تلہیں الہمیں کا مطالعہ بھی اس بات کو سمجھنے میں مفید ہے۔

⑦ اگر اس قسم کے نقص و حکایات پر اعتماد حق تک رسائی کے لئے کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو رسول سمجھنے، کتابیں نازل کرنے، حق و باطل کے معروکے پا کرنے اور اہل علم کو تبلیغ کا حکم دینے کی قطعاً ضرورت نہ ہوتی، بلکہ یہ سارا کام

(۱۵۵) تفصیل کے لئے دیکھئے اقتضاء النصر اط المستقیم ن ۲، ص ۸۹، ۷۱ اور اس کے بعد و ج ۳، ص ۲۹۸۔

(۱۵۶) دیکھئے مشہور مفسر علامہ محمود آلوی حنفی بخاری کی تفسیر روح البیان ن ۶، ص ۱۲۹۔

خوابوں، قصوں اور کہانیوں کے ذریعے ہی پورا ہو جاتا۔ اور پھر اس قسم کے واقعات ہندوؤں، یہودیوں اور نصاریٰ وغیرہ مشرک قوموں کے یہاں بھی بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں، بلکہ بعض مذاہب باطلہ تو ایسے ہیں کہ ان کی بنیادی قصوں، کہانیوں اور حکایات پر کھڑی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کتنے اصولوں کی بنیاد پر ایک فریق کے واقعات جھوٹے اور دوسرے کے صحیح ہیں۔ ہر ذی عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ انہیں پر کھنے کا بہتر طریقہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے کہ انہیں کتاب و سنت کے پیلانے سے ناپا جائے۔

⑧ خواب سے متعلق یہاں پر ایک مسئلہ خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے کہ کیا خواب علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی بھی شکل میں دلیلِ شرعی بن سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ خواب میں نظر آنے والا اگر کوئی صاحبِ کرامت بزرگ، کوئی صحابی یا اللہ کے رسول میثیل ہوں تو اس کی تاثیر دو بالا ہو جاتی ہے۔ اس لئے تجربہ شاہد ہے کہ بہت سے لوگ عوام کی سادگی اور علمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس قسم کے بہت سے جھوٹے خواب گھڑ کر بیان کرتے ہیں۔^(۱۵۴) اس لئے اس موضوع پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ بہت سے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔

(۱۵۴) حالانکہ جھوٹا خواب بیان کرنا علماء کے نزدیک کبھی گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

(إِنَّ شَهْلَمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرِدْ كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَفْعَلَ) (صحیح البخاری: ۲۰۲۲ التعبیر بباب ۲۵ عن ابن عباس رضي الله عنهما)

”جس شخص نے دیکھے بغیر کوئی خواب بیان کیا اسے قیامت کے روز جو کے دو دنوں کے درمیان گانجھ باندھنے کا حکم دیا جائے گا، جو وہ نہ کرپائے گا۔“

علمائے سلف و خلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خواب دلیل شرعی نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو خواب میں اللہ کے رسول ﷺ کا دید اور ہوتا ہے تو بھی اس کا کوئی اعتبار نہ ہو گا۔

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مقدمہ صحیح مسلم میں اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض اور دوسرے علماء نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے کہ خواب کے ذریعے کسی حکم پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی ثابت شدہ نتت کو چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے کسی نتت کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں مسلک شافعی کے علماء اور دوسرے علماء متفق ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں آناب حق ہے، کیونکہ شیطان آپ ﷺ کی شکل میں نہیں آ سکتا۔ یہ امر تو مسئلہ ہے لیکن اس خواب سے کسی حکم شرعی کا ثابت جائز نہ ہو گا۔^(۱۵۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح الباری میں ایک سے زائد جگہ اس قاعده کا ذکر فرمایا ہے۔^(۱۵۹)

قارئین سے گزارش ہے کہ فقصص و حکایات سے متعلق میری مذکورہ بالا گزارشات کو سامنے رکھیں، پھر ذیل کی سطور کو غور سے پڑھیں۔

مرودجہ وسیلہ سے متعلق تصویں اور خوابوں کی فہرست تو بہت لمبی ہے جنہیں کسی ایک دفتر میں جمع نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہاں چند مشور و اقتات لکھ کر ان پر گفتگو کی جاتی ہے، خاص طور پر ایسے واقعات جن کی نسبت کسی اہم شخصیت کی طرف ہے۔

(۱۵۸) شرح صحیح مسلم نہتوی ج ۱، ص ۱۱۵

(۱۵۹) فتح الباری ج ۱۲، ص ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶

❶ عتبی کا واقعہ

ابو منصور الصباغ بیان کرتے ہیں کہ عتبی نے کہا کہ میں قبرنبوی کے پاس بینجا ہوا تھا، ایک بدوسی آیا اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا : "السلام علیک یا رَسُولَ اللَّهِ! ہم نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنائے کہ :

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ اذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْجَدُوا اللَّهَ تَوَابًا رَّحِيمًا ﴾

(النساء : ۲۳)

(اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجائتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔)

اور ادھر میری کیفیت یہ ہے کہ میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے اور اپنے رب کے پاس آپ کو سفارشی بناتے ہوئے حاضر خدمت ہواؤں۔ "

عتبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نے چند اشعار پڑھے اور واپس ہو گیا۔ اس دوران میری آنکھ لگ گئی اور خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عتبی اس بد و کو جا پکڑو اور اسے یہ خوشخبری دے دو کہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (۱۶۰)

یہ قصہ بہت مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ ایک معتمد علیہ تفسیر میں ہے اس لئے لوگ اسے بہت زور دے کر بیان کرتے ہیں، جبکہ حق یہ ہے کہ یہ قصہ کئی اعتبار سے لاائق استدلال نہیں ہے۔

① امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کو ساتویں صدی کے مشور طبیب ابو منصور القباغ کے حوالے سے روایت کیا ہے جن کی وفات ۲۸۲ھ (۱۶۱) میں ہے اور ابو منصور نے اس واقعہ کی کوئی سند بیان نہیں کی، بلکہ تیسری صدی کے ایک عالم محمد بن عبد اللہ بن عمرو عتنی سے نقل کیا ہے جن کی وفات ۵۲۸ھ میں ہے (۱۶۲)۔ اب سوال یہ ہے کہ ابو منصور اور عتنی کے درمیان چار سو سال کے قریب کا فاصلہ ہے جس کی سند کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

② امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ عتبی اور اعرابی کے ساتھ پیش آیا ہے، جبکہ امام ابن عبد المادی نے امام ابن الجوزی کی کتاب منیر العزم الساکن کے حوالے سے یہی واقعہ نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ محمد بن حرب اور ایک اعرابی کے درمیان پیش آیا ہے۔ نیز امام ابن عبد المادی نے یہی واقعہ جب امام بیہقی سے نقل کیا تو اس واقعہ کے کردار امام شافعی کے شاگرد الحسن الزعفرانی اور اعرابی کو بتالیا ہے (۱۶۳)۔

③ بعض روایات میں یہ قصہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے تین دن بعد کا مذکور ہے جس کی سند اس طرح ہے: ابو الحسن علی بن ابراہیم الدرخنی عن علی بن محمد عن احمد بن محمد بن البیثم الطائی عن ابیه عن جدہ عن سلمہ بن کہیل عن ابی صادق عن علی بنی خوش (۱۶۴)۔

اب اگر اس سند کے راویوں کو دیکھتے ہیں تو اس سند میں کئی راوی ضعیف نظر آتے ہیں۔

(۱۶۱) الاعلام للزر کلی، ج ۵، ص ۲۲۲

(۱۶۲) الاعلام للزر کلی، ج ۶، ص ۲۵۸ و سیر اعلام النبلاء، ج ۱۱، ص ۹۶

(۱۶۳) دیکھیے الصارح المنکری فی الرد علی السبکی، ص ۲۵۲، ۲۵۳

(۱۶۴) الصارح المنکری، ص ۳۲۱

(۱) ہیش بن عدی الکوفی: امام تیجی بن معین، امام بخاری، امام ابو داؤد اور امام علی وغیرہم نے اس راوی کو کذاب، حدیث گھرنے والا اور سخت ضعیف کہا ہے۔^(۱۶۵)

(۲) احمد بن محمد اور ان کے باپ محمد: کتب تراجم ان دونوں راویوں کے ذکر سے خالی ہیں، یعنی یہ دونوں مجمل راوی ہیں۔

(۳) متن کے لحاظ سے بھی یہ قصہ غیر مقبول ہے۔ تفصیل کے لئے الصارم المنکی لابن عبدالهادی اور التوصل الی حقیقتۃ التوسل للرفاعی کو دیکھا جائے۔^(۱۶۶)

۲ ایک اعرالیٰ کاخواب

ایک تابعی مالک الدار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر بن جو کے زمانے میں تقطیر پڑا۔ ایک شخص قبرِ بنوی سلطنتی کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کے لئے پانی طلب کیجئے، کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس سے کوئی کہہ رہا ہے کہ عمر کے پاس جا کر ان سے میرا سلام کو اور یہ بتلا دو کہ تمہیں سیراب کیا جائے گا، تمہیں چاہیئے کہ عقل مندی کو لازم پکڑو۔ وہ شخص حضرت عمر بن جو کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت عمر بن جو روپرے اور کہنے لگے کہ اے اللہ میں کوتاہی نہیں کرتا، الایہ کہ میں عاجز رہوں!^(۱۶۷)

(۱۶۵) دیکھئے الضعفاء الصغير للبخاری: ۷۱۔ انکامول لابن عدی ح ۷، ص ۲۲۳۔ المیزان للذہبی ح ۳، ص ۲۲۳۔

(۱۶۶) الصارم المنکی، ص ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۲۰، ۳۲۱۔ التوصل الی حقیقتۃ التوصل ص ۲۸۹۔

(۱۶۷) مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۱، ص ۳۱، ۳۲، ۱۲۰۵۱۔

وسیله مروجہ کے قائلین کے نزدیک اس دلیل کی بڑی اہمیت ہے، خصوصاً اس لئے کہ بعض علماء نے اس قصہ کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن بہ چند وجوہ یہ قصہ قابل استدلال نہیں ہے۔

① اس قصہ کا دارود مالک الدار پر ہے جن کا پورا نام مالک بن عیاض ہے۔ کتبِ تراجم سے ان کے متعلق جو معلومات فراہم ہوتی ہیں ان میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ کسی بھی محدث نے انہیں ثقہ قرار دیا ہو۔ اسی لئے امام المذہبی، حافظ نور الدین الحیشی اور علامہ البانی نے نہیں بھول (جس کے حالاتِ زندگی غیر معروف ہیں) قرار دیا ہے۔^(۱۶۸) اب ظاہر ہے کہ عقیدہ اور حلال و حرام جیسے مسائل میں ایک بھول الحال راوی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

② یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا جسے لوگوں کے مابین بہت مشور ہو جانا چاہیئے تھا، جیسا کہ اس قسم کے اہم واقعات کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن مالک الدار کے علاوہ کسی دوسرے صحابی یا راوی نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بعض علماء کی رائے کے مطابق اگر اس قصہ کو صحیح مان لیا جائے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے،^(۱۶۹) تو بھی یہ کسی عقیدہ کے مسئلے پر قطعاً دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ قرآن و سنت کے مقابلے میں خواب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

③ یہ واقعہ حضرت عمر بن الخطاب کی عاوی شریفہ کے خلاف ہے، کیونکہ آپؐ کے

(۱۶۸) الترغیب والترہیب ج ۲، ص ۲۱، ۲۲۔ مجمع الزوائد ج ۳، ص ۱۲۵۔ التوسل، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

(۱۶۹) البداية والنهاية ج ۷، ص ۹۳، ۹۴۔

بارے میں بھی وارد ہے کہ ایسے موقع پر آپ استقاء کے لئے نکلتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بن خوش کی دعا کے دیلے سے پانی طلب کرتے تھے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

۵) عبد فاروقی سے متعلق کتب حدیث و سیر میں دو اثر اور مذکور ہیں جن کو سامنے رکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مالک الدار سے مردی واقعہ اپنی اصلی شکل پر باقی نہیں ہے۔

مشور تابعی عبد اللہ بن عبید بن عمر بن بیہر فرماتے ہیں کہ عبد فاروقی میں ایک بار قحط پڑا، ایک شخص صحرائیں رہتا تھا جہاں اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعت نماز استقاء پڑھی اور سو گیا۔ خواب میں اسے اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر کو میرا سلام پہنچاؤ اور انہیں بتاؤ و کہ اللہ نے تمہاری دعا میں قبول کر لی ہیں (حضرت عمر بن خوش نے بھی نماز استقاء پڑھی تھی) اور ان سے کو کو وعدہ پورا کریں، معاهدے کو مضبوطی سے تھامیں۔ وہ شخص حضرت عمر بن خوش کے دروازے پر آیا اور ان الفاظ میں اجازت چاہی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے رسول کو داخلے کی اجازت دو۔ حضرت عمر بن خوش نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر کون الزام تراشی کر رہا ہے؟ اُس شخص نے کہا کہ آپ جلد بازی نہ کریں، پہلے میری بات سن لیں۔ اس کے بعد اس نے سارا قصہ سنایا جسے سن کر حضرت عمر بن خوش رونے لگے۔^(۱۷۰)

ایک اور مشور تابعی حضرت عبد الرحمن بن کعب بن مالک النصاری بیہری نے اسی سے ملتا جلا واقعہ روایت کیا ہے، لیکن اس میں اعرابی کے بجائے بلال بن الحارث المزنی کا ذکر کیا ہے۔ اس اثر میں بھی نماز استقاء اور دعا کا ذکر ہے،

(۱۷۰) مصنف عبد الرزاق، ج ۲، ص ۹۳، ۹۴

نبی ﷺ کی قبر پر حاضری اور آپ ﷺ سے توسل کا ذکر نہیں ہے۔^(۱۷۱)
 یہ دونوں قصے بھی اگرچہ بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں، لیکن روایت
 شریعت، سنتِ نبوی اور طریقہ خلافی راشدین کے زیادہ قریب ہیں۔ یہیں
 سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مالک الدار کا بیان کیا ہوا قصہ اولًا تو صحیح نہیں ہے، اور
 اگر صحیح ہے تو راویوں کے تصرف سے اپنی اصل صورت کو بیخاہے، جیسا کہ
 عام طور پر قصوں میں ہوتا ہے۔
 مذکورہ بالا وجوہات کے پیش نظر اس اثر کی صحت پر دل مطمئن نہیں ہے اور
 نہ ہی اصولِ محدثین و فقہاء کو تمہرے نظر رکھتے ہوئے اس سے کسی مسئلے کا ثبوت پیش
 کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم!

۳ جحرہ مبارک کے پرروشن دان کھولنے کا واقعہ

ابو الجوزاء بیان کرتے ہیں کہ ایک بار اہل مدینہ سخت قحط سالی کا شکار
 ہوئے۔ لوگوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ
 کے رسول ﷺ کی قبر مبارک اور آسمان کے بیچ ایک ایسا روش دان کھول دو
 جس سے آسمان نظر آئے، حتیٰ کہ آسمان اور قبر مبارک کے بیچ کوئی چیز
 حاکم نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ ایسا ہی کیا گیا، جس سے خوب بارش ہوئی، یہاں
 تک کہ سبزہ اگ آیا، جس سے اونٹ موٹے ہو گئے، ان کے جسم چربی سے بھر
 گئے۔ اسی مناسبت سے اس سال کا نام عام الفقیر رکھا گیا۔^(۱۷۲)
 کسی کی ذات یا جاہ و مقام کا سیلہ لینے کے لئے یہ اثر بھی بطور دلیل پیش کیا

(۱۷۱) دیکھئے تاریخ الامم و الملوك للطبری، ج ۳، ص ۹۸، ۱۸۸ھ کے
 واقعات۔ البداية والنهاية، ج ۷، ص ۹۳۔

(۱۷۲) سنن الدارمی: ج ۹۲، ص ۵۶۔

جاتا ہے، حالانکہ جب اسے اصولِ نقد کی بھی میں ڈالتے ہیں تو سند و متن دونوں اعتبار سے کھرا نہیں اترتا، جس کا اندازہ درج ذیل امور سے ہوتا ہے۔

مسند داری میں اس اثر کی سند اس طرح مذکور ہے: حضرت عائشہ پیری بنی
سے اس تقدیم کو ابو الحجڑاء نے روایت کیا، ابو الحجڑاء سے عمرو بن مالک نے، عمرو
بن مالک سے سعید بن زید نے اور سعید سے ابو النعمان نے اور ابو النعمان سے
امام الدارمی نے۔

- ① حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے راوی ابوالجوزاء کاتام اوس بن عبد اللہ ہے جو بذاتِ خود تو لقہ ہیں لیکن دو وجہ کی بناء پر حضرت عائشہؓ سے ان کی روایت پر کلام ہے۔ اولًا تو اس وجہ سے کہ وہ ارسال کثرت سے کرتے ہیں، یعنی جس راوی سے شاہے اسے حذف کرتے اور اس سے اوپر والے راوی کو اپنا استاذ ظاہر کرتے ہیں، ہانیہ امام بخاری جیسے نقاد فن نے بتلایا ہے کہ ان کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات نہیں ہے۔^(۱۷۳)

② ابوالجوزاء سے روایت کرنے والے راوی عمرو بن مالک اور ان کی روایت ابوالجوزاء سے منکرا و غیر محفوظ ہے۔^(۱۷۴)

③ عمرو بن مالک سے اس قصہ کو سعید بن زید نے روایت کیا اور انہے کے نزدیک سعید بن زید ضعیف راوی ہیں۔^(۱۷۵)

④ سعید بن زید سے اس قصہ کو ان کے شاگرد ابوالعمان محمد بن القفضل نے روایت کیا ہے جن کا لقب عارم ہے جو لقہ راوی ہیں، لیکن آخری عمر میں

(۱۷۳) الكامل الضعفاء ج ۱، ص ۳۰۲۔ التهذیب ج ۱، ص ۳۸۳

(۱۷۴) التهذیب، ج ۱، ص ۳۸۳ وغیرہ۔

(۱۷۵) الكامل، ج ۳/۲، ص ۱۲۸۔ میراث الاعتدال ۳/۲، ص ۳۳۔ التهذیب

ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ امام داری نے ان سے حافظہ بگزرنے سے پہلے روایت لی ہے یا بعد میں۔ اس لئے ان کی روایت مقبول نہ ہو گی۔^(۱۷۶) (تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوسل الحکامہ و انواعہ)

⑤ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ حضرت عائشہؓ کے جحرہ شریفہ میں، جس میں رسول اللہ ﷺ کو دفن کیا گیا تھا، ولید بن عبد الملک کے زمانے تک کوئی روشن دال نہ تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ گھر کا آدھا حصہ کھلا تھا اور آدھے حصے پر چھٹت تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ گھرا ہوا ہے۔^(۱۷۷)

⑥ قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس اثر میں کہیں بھی وسیلہ کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کسی بھی شکل میں اسے وسیلہ کے لئے دلیل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی حد تک اس قصے سے کسی چیز کا ثبوت ہوتا ہے تو یہ کہ نبی ﷺ کی قبر سے برکت کا حصول ممکن ہے۔

⑦ بشرط صحت یہ ایک صحابی کا عمل ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث نہیں ہے کہ اس سے کسی عقیدہ سے متعلق مسئلہ پر استدلال کیا جائے۔

والله اعلم!

● امام شافعیؓ کا امام ابو حنیفہؓ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا

ہمارے بست سے بھائی بڑے زور دار انداز میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل واقعہ بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔

(۱۷۶) الاغتباط، ص ۲۳۔ التوسل، ص ۱۲۸، ۱۲۹

(۱۷۷) الرد على البكري، ص ۶۸، ۷۳

امام خطیب بغدادی روثینج نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ بغداد" میں بغداد کے مقبروں کے ذکر میں لکھا ہے کہ علی بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہم نے امام شافعی روثینج کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں امام ابو حیفہ روثینج کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز میں ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ اگر مجھے کوئی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس آ کر اللہ سے ذعا کرتا ہوں اور میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔^(۱۷۸)

① یہ قصہ ضعیف اور من گھڑت ہے۔ امام ابو حیفہ اور امام شافعی روثینج کے کبار تلامذہ میں سے کسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔^(۱۷۹)

② اس قصے کی سند میں امام شافعی تک متعدد روایی بحول اور غیر معروف ہیں، علی سبیل الشال عمر بن اسحاق بن ابراہیم۔^(۱۸۰)

③ امام شافعی روثینج نے اپنی مشہور کتاب "الاُمّ" میں قبر کے پاس ذعا کرنا اور نماز پڑھنا مکروہ لکھا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے لوگوں کے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے^(۱۸۱)۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام موصوف وہی کام کریں جسے مکروہ لکھ رہے ہیں؟

(۱۷۸) تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۱۲۳۔

(۱۷۹) سلسلة الأحاديث الضعيفة ۱/۷۸۔ الدُّعاء و مكانته ۲/۸۳۶۔

(۱۸۰) حوالہ سابقہ

(۱۸۱) الاُمّ ج ۱، ص ۲۳۶۔

نیز تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم۔

چوتھی بحث: لوگوں کا عمل اور علماء کا سکوت

یہ شبہ بس خیالی شبہ ہی نہیں بلکہ بطور دلیل عوام اور عام پڑھے لکھے لوگوں سے بارہا سنائیا ہے کہ جب ان کے سامنے مرد چوسلیہ کی غیر مشروعةیت بلکہ اس کا بدعت و شرک ہونا رکھا جاتا ہے تو وہ سارا معاملہ اپنے باپ دادا کے عمل، لوگوں کے تعامل یا اپنے علماء کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: زمانے سے لوگوں کا یہی عمل چلا آرہا ہے۔ ہمارے باپ دادا بھی یہی سب کچھ کرتے رہے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے سامنے یہ آیات و احادیث نہیں تھیں اور کیا ہمارے یہاں کے علماء قرآن و حدیث نہیں سمجھتے؟

بلکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سعودی عربیہ کے مشرقی علاقے میں ربیع الاول ۱۴۲۹ھ کو ایک جلد عام سے خطاب کا مجھے موقع ملا۔ لوگوں کی خواہش پر ”بدعت اور اس کے مضرا ثرات“ میرے خطاب کا موضوع تھا۔ جلد کے آخر میں جب سوال و جواب کا سلسہ شروع ہوا تو ایک سوال کچھ اس طرح تھا کہ ”آج کی تقریر میں آپ نے جو حدیثیں بیان کی ہیں کیا ہمارے یہاں کے علماء کو وہ حدیثیں معلوم نہیں ہیں؟“

اس لئے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس شبہ کو صاف کر دیا جائے۔

اس شبہ کی دو شقیں ہیں :

- ① لوگوں یا باپ دادا کا عمل
- ② علماء کا سکوت

حق بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہی شرعی دلیل نہیں ہیں، بلکہ ہر زمانے

کے ناداقفِ حال لوگ حق کے مقابلے میں ایسی ہی دلیلیں پیش کرتے رہے ہیں، جن کی تردید قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے وارد ہے۔ کیا باپ وادا کا عمل ہدایت کی دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے، فرمایا :

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَتَبْعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَسْيَغُ مَا أَنْفَقَنَا عَلَيْهِ أَبَاءُنَا ۚ أَوْلَوْ كَانَ أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝﴾ (البقرة: ۱۷۰)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ وادا کو پایا ہے۔ اگرچہ ان کے باپ وادے بے عقل اور گم کروہ راہ ہوں۔“

اور ایک جگہ ارشاد ہے :

﴿وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي فَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَاتَ مُنْزَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا أَبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ أَثَارِهِمْ مُمْتَذِلُونَ ۝ قَالَ أَوْلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْذِي مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ أَبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أَرْسَلْتُمْ بِهِ كَفِرْنَا ۝﴾

(الزخرف: ۲۲، ۲۳)

”اسی طرح آپ سے پہلے بھی جس بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ وادا کو ایک راہ پر اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔ نبی نے کہا: اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بت بہتر طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ وادا کو پایا ہے تب بھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس کے مکر ہیں جسے دے کر تمہیں

بھیجا گیا ہے۔ ”

قرآن مجید میں متعدد جگہ (۱۸۲) اس شبہ کو ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے، جس کا صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ کتابِ اللہ کے مقابلے میں سیدھی راہ سے بھلکے ہوئے لوگ اپنے شرک و بدعت کے لئے بطور دلیل باپ دادا سے نسل در نسل چلی آرہی رسموں کو پیش کرتے رہے ہیں، حالانکہ جس طرح یہ لوگ دینی بصیرت سے بے بہرہ اور ناقلف ہیں اسی طرح ان کے آباء و اجداد بھی صراطِ مستقیم سے بھلکے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اس گمراہی کی ایک دلچسپ مثال پیش کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمَثُلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثُلِ الَّذِينَ يَنْعَقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا
ذُعَاءً وَنَذَاءً ۚ صُمْ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَفْقِلُونَ ۝ ﴾

(البقرة: ۱۷۱)

”کفار کی مثال اُن جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چروائے کی صرف پکار اور آواز سنتے ہیں (بکھتے نہیں) وہ بھرے ہیں، گونگے اور انہے ہیں، انہیں عقل نہیں ہے۔“

یعنی وہ کافر جو باپ دادا کی تقلید میں اس قدر رذوبے ہوئے ہیں کہ داعی حق کی بات پر دھیان نہیں دیتے ان کی مثال اُس رویڑ کی سی ہے جو اپنے چروائے کی آواز تو سنتا ہے، اسے مانتا بھی ہے، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اسے کیوں بلایا جا رہا ہے۔ انہے مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کی رسم پر چل رہے ہیں لیکن انہیں یہ تمیز نہیں ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ (۱۸۳)

اب بات واضح ہو گئی کہ قرآن و سنت کے مقابلے میں لوگوں کے عمل کا اور

(۱۸۲) دیکھنے والاندہ: ۱۰۳، لقمان: ۲۱، الصافات: ۶۹، ۷۰، ۷۱، الانبیاء: ۵۲، ۵۳۔

(۱۸۳) دیکھنے تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۷۸۔

بادا کے عمل کا کوئی وزن نہیں اور نہ ہی بادا کی رسوم کو بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے، خواہ اس پر عمل کرنے والے لوگ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے موافق ہو گی وہ حق ہے، خواہ اس پر عمل کرنے والے لوگ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، اور جو چیز وحیٰ الہی کے خلاف ہو گی وہ باطل و مگرای ہے، خواہ اس پر عمل کرنے والے لوگ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی نے قرآن حکیم میں تنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت کا گیا ہے :

﴿إِنَّ إِبْرَهِيمَ كَانَ أُمَّةً فَاتَّخَذَ لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل : ۱۲۰)

”واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا۔“

صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا درج ذیل فرمان بھی قابل غور ہے:

الْجَمَاعَةُ مَا وَأَفَقَ الْحَقُّ وَإِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ (۱۸۳)

”جماعت (۱۸۴) وہ ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ تو کیا ہو۔“

(۱۸۳) علامہ البیلی بریجی فرماتے ہیں کہ اس اثر کو حافظ ابن عساکر نے اپنی کارنخ (۱۳/۳۲۲/۲) میں صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے التعليق على المشكاة ج ۱ ص ۶۰

(۱۸۴) صحابی رسول کے فرمان میں جماعت سے بینہ وہی جماعت مراد ہے جس سے متعلق ارشاد نبوی ہے: ((يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) ”جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“ (سن الترمذی: ۱۳۱۲) الفتن بابے، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ دیکھئے صحیح البخاری: ۸۰۵/۲، ص ۲۳۰ (۱۳۲۰).

اور اس جماعت سے وہی مبارک گروہ مراد ہے جن سے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لئے فتوؤں سے دور رہنے کے لئے، صراط مستقیم پر کامن رہنے کے لئے رضائے الہی اور جنت کا وارث بننے کے لئے اسی جماعت کا امن پکڑنا ہوگا۔ ارشاد ہے:

((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةِ فِيَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مَعَهُ))

علماء کی بات کب قابل عمل ہوتی ہے؟

علماء خود دین ساز نہیں ہوتے، بلکہ دین کی باتیں بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اس لئے اگر وہ دین کی بات دلیل کے ساتھ بتائیں تو ان کی بات قابل قبول اور ان کی ذات قابل احترام ہے، ورنہ بے دلیل علم خود ایک قند ہے۔ بے بنیاد اور من گھڑت باتیں کرنے والے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے دین کے لیوروں سے بچنا اشد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿يَوْمَ تُقْلَبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلِينَتَا أَطْعَنَا اللَّهُ وَأَطْعَنَا الرَّسُولُ أَوْ قَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطْعَنَا سَادَتَنَا وَكُنْزَاتَنَا فَأَضَلُّنَا السَّيِّلَاتُ﴾ (الاحزاب: ۶۷، ۶۸)

”اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹپٹ کے جائیں گے (تو وہ حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرتے۔ اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی جنوں نے ہمیں را و راست سے بھکاریا۔“

اس آیت کے اندر ”садہ“ اور ”کبراء“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ”садتنا“

— الا ثَّنِينِ أَبْعَدُ، وَمَنْ أَرَادَ بِحْبُوحَةِ الْجَنَّةِ فَعَلِيهِ بِالْجَمَاعَةِ (سنن الترمذی : ۲۱۶۵، الفتن باب ۷۔ مسند احمد ج ۱، ص ۲۲۹۱۸۔ مستدرک الحاکم ج ۱، ص ۱۱۳ عن عمر بن الخطاب)۔ یعنی ”جماعت کو تھامے رکھو، اختلاف سے دور رہو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ رہتا ہے اور دوسرے ایک کے مقابلے میں ذور رہتا ہے، اور جسے جنت کا دریا میانی حصہ پسند ہو وہ جماعت کو لازم کپڑے۔“

سے مرا دا شراف و سردار ہیں اور ”کبراء نا“ سے مرا دا علماء ہیں۔ (۱۸۶)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴾
(التوبۃ : ۳۲)

”اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال تاحق کھا جاتے ہیں
اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔“

اس آیت میں بھی ولفاظ استعمال ہوئے ہیں ”احبار“ اور ”رہبان“۔
احبار ”جر“ کی جمع ہے۔ جر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقہ
سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ اس سے مرا دا علماء یہود ہیں۔ ”رہبان“ راہب
کی جمع ہے جو رہب سے بنا ہے۔ اس سے مرا دا علماء نصاری ہیں ۔۔۔ یہ دونوں
ایک تو کلام اللہ میں تحریف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق منکے
ہتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے، دوسرے اس طرح لوگوں
سے مال اشیختے جوان کے لئے باطل اور حرام تھا۔ بد قسمی سے بست سے علماء
مسلمین کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی ﷺ کی پیشین گوئی کا مصدقہ ہیں جس میں
آپ ﷺ نے فرمایا تھا :

((الشَّيْعَنَ مُسْنَنَ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ)) (۱۸۷)

”تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پریروی کرو گے۔“ (۱۸۸)

(۱۸۶) تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۵۱۹۔ بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم

(۱۸۷) صحیح البخاری : ۳۲۰، الاعتصام باب ۱۳۔ صحیح مسلم :

العلم عن ابی سعید ثابت

(۱۸۸) احسن البیان ص ۵۱۸۔ نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۵۰

مندرجہ بالا تفصیل سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں :

اولاً: کچھی قوموں نے حق کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا تھا جس کی تردید اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بڑے واضح طور پر اور شدید لمحے میں فرمائی، بلکہ ایسے لوگوں کو جانوروں اور چوپایوں سے تشبیہہ دی۔

ثانیاً: جو لوگ بغیر چھان میں کئے اپنے سرداروں اور علماء اور مفتیاں دین کی تقلید کرتے ہیں، خواہ ان کے سرداروں و علماء گمراہی کے راستے پر ہوں، وہ حشر کے میدان میں اپنے بیروؤں سے براءت کا اظہار کریں گے۔

ثالثاً: چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اذلی کی غیاد پر یہ جانتا تھا کہ امتِ محمدیہ میں سے کچھ لوگ اُمّمٰ سابقہ کی راہ پر چلیں گے اس لئے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہنا۔

ایک اور بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے ماحول میں عموماً جن شخصیات کی علیمت کے گئے گئے جاتے ہیں ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو علم سے کوسوں ذور ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر ایسے ہی لوگ عوام کی سادگی اور بے علمی سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے لئے چوڑے مسحور کن لیکھوں اور مبالغہ آرائی پر مبنی تقریروں کے ذریعے اپنے جال میں پھانے رکھتے ہیں اور ان پر ایسا جادو کرتے ہیں کہ انہیں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی اور وہ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔

اس اکثریت اور سوادِ اعظم سے الگ کچھ لوگ یقیناً موجود ہیں جو حق و باطل کو سمجھتے ہیں، توحید و شرک کے فرق کو پچانتے ہیں، اسلامی امور اور اسلام کے منافی امور میں امتیاز بھی کر سکتے ہیں، لیکن کچھ مصلحتوں کی وجہ سے یا شیطان کی بیروی میں اظہارِ حق سے قاصر ہیں، ان سے مزید کچھ کرنے کے بجائے صرف اتنا

کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِنَّاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَكَبِيرَةً لِلثَّالِثِ
وَلَا تَكُنْمُونَهُ فَتَبَذُّرُهُ وَرَأَءُ ظُهُورُهُمْ وَاشْتَرُوا بِهِ ثُمَّا قَلِيلًا
فِيْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴾ (آل عمران : ۱۸۷)

”اور ان اہل کتاب کو وہ عمد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہو گا، انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہو گا“ مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت میں اسے بیج ڈالا۔ سو کتنا بڑا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔“

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کے ذریعے گویا علمائے اسلام کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جو نفع بخش علم ان کے پاس ہے اور جس سے عمل صالح کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اسے لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں اور اس میں سے کوئی چھوٹی بڑی بات نہ چھپا میں۔ چنانچہ متعدد سن� سے یہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے مردی ہے کہ :

«مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ الْحِجَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَاءِ
مِنْ نَارٍ» (۱۸۹)

”جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی، پھر اس نے اس علم کو چھپایا، تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔“ (۱۹۰)

(۱۸۹) سنن ابو داؤد : ۱۳۶۵۸ - سنن الترمذی : ۱۲۶۲۹ - علم باب ۳ - سنن ابن ماجہ : ۱۲۶۶ - المقدمہ باب ۲۳ - عن ابی حیرۃ۔

ویکی پیڈیا صلیح الحجامع : ۶۲۸۳

(۱۹۰) تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۳۷۵

پانچویں بحث: خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا

مرد جہ و سلے کو مانے والے کرتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ کسی وزیر یا صدر تک پہنچنے اور ان سے اپنی ضروریات پوری کروانے کے لئے کسی واسطے یا سفارش کی ضرورت ہوتی ہے، ہر کس و ناس کا کسی سفارش کے بغیر ان کے پاس پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم بہت چھوٹے اور گناہ گار لوگ ہیں، جناب اللہ تک پہنچنے کے لئے نبیوں، ولیوں اور صالحین کے وسلے کے محتاج ہیں۔

یہ ایسا شبہ ہے جو عوام اور کم علم حضرات کو بہت زیادہ اچیل کرتا ہے، اس لئے ہر کوئی اسے دلیل بنائے بیخاہے۔ یہ آج ہی سے نہیں بلکہ صحابہ کرام ہی شیخ اور تابعین کے بعد جب بدعتات کا ظہور شروع ہوا اور علمائے سوء نے بدعتات کو رواج دینا شروع کیا تو وسیلہ کی تائید میں یہ عقلی دلیل ضرور پیش کی گئی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس عقلی دلیل کو قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھ لیا جائے کہ اس دلیل کی کیا حیثیت ہے۔ ہم نے بات کو واضح کرنے کے لئے اپنے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے :

- ① سفارش (شفاعت) کی شرعی حیثیت
- ② مذکورہ دلیل کی غیر معقولیت

”شفاعت“ کا معنی بعینہ وہی ہے جسے ہماری زبان میں سفارش کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی بڑے کے پاس جا کر اس کے کسی قریبی تعلق والے کا کسی ضرورت مند کے لئے حاجت طلب کرنا، خواہ اس حاجت و ضرورت کی مشکل نفع کا حصول ہو یا کسی مشکل کو ہالنیا رفع درفع کرنا ہو۔ شرعی اصطلاح میں بھی شفاعت تربیا اسی معنی میں مستعمل ہے، ”مثلاً انبیاء“، ”ولیاء“ اور عام مومنین کا دوسرا مسلمانوں کے حق

میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرتا۔

بدقسمتی سے عام اسلامی اصطلاحوں کی طرح اس کلمہ کا بھی صحیح مفہوم لوگوں کے ذہنوں سے غائب ہو چکا ہے اور اس کی جگہ شفاعت کے غلط تصورات لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسے امور جن میں شفاعت کی گنجائش نہیں ہوتی، لوگوں نے ان کے بارے میں بھی شفاعت کا عقیدہ اپنے ذہنوں میں راجح کر لیا ہے۔ اس بحث کے اندر شفاعت پر تفصیلی روشنی تو نہیں ڈالی جاسکتی، البتہ چند اصولی باتیں رکھی جاتی ہیں، جن کا لحاظ رکھ کر اصل موضوع کو سمجھا جاسکتا ہے۔

قرآن و حدیث کے گھرے مطالعہ کے بعد یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ شفاعت کی کچھ صورتیں اللہ کے نزدیک مقبول ہیں اور وہ شرعاً جائز ہیں، البتہ کچھ دوسری شکلیں اللہ کے ہاں مقبول نہیں، لہذا جائز بھی نہیں۔ اس لئے علمائے دین نے شفاعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ شفاعت مفیدہ اور شفاعت غیر مفیدہ۔ شفاعت مفیدہ کے ثبوت اور مشروعيت کے لئے آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں علماء نے دو شرطیں بیان کی ہیں :

① اللہ وحدہ لا شریک کی طرف سے شفاعت کرنے والے کو شفاعت کرنے کی اجازت ہو۔ قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کسی کی سفارش کرے؟“

② جس کی شفاعت کی جا رہی ہے اس کے عمل سے اللہ راضی بھی ہو۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى...﴾ (الانبیاء: ۲۸)

”وہ فرشتے صرف اسی کی سفارش کریں گے جس سے اللہ راضی ہو گا۔“

شفاعتِ مفیدہ کی انی دنوں شرطوں کو قرآن مجید میں ایک سے زائد جگہ ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورۃ النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكُمْ مِنْ مَلِكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا

﴿مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾ (النَّحْمٌ : ٢٩)

”اور آسانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں کہ ان کی شفاعت کچھ بھی

کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اجازت نہ دے جس کے لئے

چاہے اور راضی ہو۔“

سورة النبأ میں ارشاد ہے :

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلِئَكَةُ صَفًا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ﴾

لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ (النَّبِيٌّ :

"جس روز حضرت جبرئیل ملائکت اور فرشتے صفت سے کھڑے ہوں گے،

کوئی نہ بولے گا سوائے اُس کے جسے رحمٰنِ اجازت دے اور وہ بھی

”ٹھیک بات کے گا۔“

قرآن مجید کے بعد جب احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی شفاعتِ ثابتہ و مفیدہ کے لئے ان دونوں شرطوں کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ شفاعتِ کبریٰ (۱۹۱) جو نبی

(۱۹) علماء نے شفاعت حق کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض صورتیں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، جبکہ بعض ایسی صورتیں بھی ہیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں اور پھر کچھ ایسی شکلیں ہیں جو آخرت ہی میں پیش آئیں گی اور بعض شکلیں اس دنیا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ تمام صورتیں دلیل کے ساتھ یہاں نہیں بیان کی جاسکتیں، جسے تفصیل درکار ہو وہ امام ابو عبد اللہ القرطبی کی کتاب اندکرہ، امام ابن القعنی کی کتاب شرح العقیدۃ الطحاویۃ، علامہ قصیم فضیلہ الشیخ ابن عثیمین کی کتاب القول المغید اور شرح العقیدۃ الواسطیۃ کی طرف رجوع ہے۔

اکرم ﷺ کے لئے خاص ہے، سے متعلقہ احادیث پر نظر دلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعت بھی بغیر اذنِ الٰہی کے ممکن نہیں ہوگی۔
صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ :

((فَإِنْظَلُقُ، فَإِنَّنِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعْ سَاجِدًا لِرَبِّي عَزَّوَ جَلَّ،
ثُمَّ يُفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الشَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ
يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِنِي، ثُمَّ يَقَالُ: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ،
سَلْ تُعْظِهُ، وَاسْفَعْ تُشَفِّعَ)) (۱۹۲)

”حضر کے میدان میں جب لوگ سارے انبیاء سے مایوس ہو کر میرے پاس آئیں گے تو میں جا کر عرش کے نیچے اپنے رب کے حضور سجدے

۔۔۔ کر لے۔ یہاں اختصار کے ساتھ صرف شفاعت کی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔
نبی ﷺ کے لئے شفاعت کی خاص شکلیں:

- ① شفاعتِ کبریٰ جو مخلوقات کے درمیان فصلہ شروع کرنے کیلئے ہوگی۔
- ② بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخلے کے لئے شفاعت۔
- ③ جنتیوں کے جنت میں داخلے کے لئے شفاعت۔
- ④ ابو طالب کے عذاب میں تحفیض کی شفاعت۔

عام مؤمنین کے لئے شفاعت کی شکلیں:

- ① جس پر جنم واجب ہے اس کے جنم سے بچنے کے لئے شفاعت۔
- ② جنت میں درجات کی بلندی کے لئے شفاعت۔
- ③ جنم میں داخلے کے بعد اس سے نکلنے کے لئے شفاعت۔

ویکھئے التذکرہ ج ۱، ص ۳۷۸۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ۲۵۲ - ۲۵۸۔

القول المفید ج ۱، ص ۳۲۲ - ۳۲۵۔ شرح العقیدۃ الواسطیۃ

(۱۹۲) صحیح البخاری : ۴۷۱۲ التفسیر - صحیح مسلم : ۱۹۳ الایمان -

میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و شکر کے ایسے کلمات کا القاء فرمائے گا کہ جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کیا ہو گا۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! سرا اٹھائیے، ماگ لججتے دیا جائے گا، شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔“ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بھی مشینہل کو بھی شفاعت کی مجال نہ ہوگی۔

صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں ہے :

((إِلَكُلْ نَبِيٌّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلْ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنَّ
الْخَبَّاثَ دَعْوَتِنِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهَمِي نَائِلَةٌ إِنْ
شَاءَ اللَّهُ مِنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا)) (۱۹۳)

”ہر نبی کی ایک ڈعا ضرور قبول ہوتی ہے، پس ہر نبی نے اپنی وہ خاص دعا دنیا ہی میں استعمال کر لی ہے اور میں نے اپنی اس ڈعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے باقی رکھا ہے۔ ان شاء اللہ یہ شفاعت ہر اس شخص کو ملنے والی ہے جو اس حال میں مرا کہ اس نے کبھی بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔“

قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ شفاعت کرنے والے کے ساتھ ساتھ جس کے حق میں شفاعت کی جاری ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کاراضی ہونا ضروری ہے۔ اسی بات کو یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اس سے خراد توحید ہے۔ یعنی جس بندے کے اندر خالص توحید پائی جائے گی اس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اور جو شخص مشرک ہو گا انبیاء و صلحاء کو اس کے لئے شفاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ اس چیز کو درج ذیل حدیث مزید واضح کر سکتی ہے۔

(۱۹۳) صحيح البخاري : ۲۳۰۵ / ۲۳۰۵ الدعاء باب ۱ - صحيح مسلم : ۱۹۹ الایمان باب ۸۶ عن ابی هریرة و انس بن مالک

حضرت ابو ہریرہؓ میخونے سے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ : ”مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟“ اے اللہ کے رسول ﷺ ! وہ کون ساخوش نصیب ہے جو آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق ہو گا ؟ تو آپ نے فرمایا :

”الَّقَدْ ظَنَثْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوْلَ مِنْكَ لَمَّا رَأَيْتُ مِنْ حِزْرِ صَكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ“ (۱۹۳)

”اے ابو ہریرہؓ ! مجھے یقین تھا کہ تمھے سے پہلے کوئی یہ بات مجھ سے نہیں پوچھے گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمھے حدیث سننے کی شدید خواہش ہے۔ میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ خوش نصیب ہے جو دل کے خلوص سے لا الہ الا اللہ کے۔“

خلاصہ کلام یہ کہ جس شفاعت میں یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں وہ شفاعت ناقابل قبول اور غیر مفید ہے، خواہ اپنے طور پر لوگ جس قدر چاہیں خوش نہیں میں بتا رہیں، اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا، بلکہ اگر شفاعت نبویؐ کے متنی ہیں تو توحیدِ خالص کو اپنائیں تاکہ شفاعتِ محمدیؐ کے مستحق بن سکیں، ورنہ اس آیت کو غور سے پڑھ لیں، عقلمندوں کی یقیناً آنکھیں کھل جائیں گی۔

أَمْ أَتَحَدُّوْ مِنْ ذُوْنِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۖ قُلْ أَوْلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا ۚ وَلَا يَعْقُلُونَ ۝ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۝ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

(الرُّمْر : ۲۲، ۲۳)

(۱۹۳) صحیح البخاری : ۹۹ العلم باب ۳۳ و مسند احمد : ۸۸۳۳

”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور دوں کو سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ خواہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ علم رکھتے ہوں۔ کہہ دیجئے کہ تمام سفارش کا اختیار اللہ ہی ہے، تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے، تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔“ شفاعت سے متعلق قرآن و حدیث سے ثابت اس تفصیل پر غور کیا جائے، پھر دیکھا جائے کہ کیا ہمارے بھائیوں کا عقیدہ شفاعت و سلطنت مذکورہ با توں سے میل کھاتا ہے؟ یا ان کا عقیدہ شفاعت بعینہ وہی ہے جو مشرکانہ قوموں کا تھا جس کی تردید قرآن مجید میں بار بار کی گئی ہے۔

چنانچہ امام رازی ریاضی سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۲^(۱۹۵) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

و حاصل الكلام لعباد الأصنام أَنْ قَالُوا: إِنَّ الَّهَ الْأَعْظَمُ أَجْلُ مَنْ أَنْ يَعْبُدُهُ الْبَشَرُ، لَكِنَّ الْلَائِقَ بِالْبَشَرِ إِنْ يَشْتَغِلُوا بِعِبَادَةِ الْأَكَابِرِ مُثْلِ الْكَوَافِكِ وَمُثْلِ الْأَرْوَاحِ السَّمَاوِيَّةِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَشْتَغِلُ بِعِبَادَةِ الْأَلَّهِ الْأَكَبَرِ، فَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ مِنْ

(۱۹۵) پوری آیت اس طرح ہے :

﴿إِنَّ الَّهَ الَّهُ الَّذِينَ الْخَالِصُ مِنَ الْأَذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ ذُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمُ الْأَلْيَقُ بِهُنَّا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بِيَنْهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذَّبَ كَفَّارًا﴾^(۱۹۵)

”خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنارکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں گے۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا سچا فیصلہ اللہ کرے گا، جھوٹے اور ناٹکرے لوگوں کو اللہ بدایت نہیں دیتا۔“

قولهم : وَمَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيَقْرَبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفٰی (۱۹۶)

”یعنی بتون کے بچاریوں کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ اعظم یعنی اللہ کا مقام و مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ عام انسان اس کی عبادت (۱۹۷) کریں، اس لئے عام انسانوں کو چاہیئے کہ وہ بڑوں کی عبادت میں مشغول ہوں، جیسے ستارے یا آسمانی روؤں (فرشتے اور اولیائے کرام وغیرہ) اور یہ بڑے اللہ اعظم یعنی اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، ”شرکیں کے قول : ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيَقْرَبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفٰی﴾ کا یہی مفہوم ہے۔ (ہم ان دیوتاؤں یا بتاؤں کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے)“

امام رازی اس موضوع پر ایک اور جگہ گفتگو فرماتے ہیں کہ :

ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله (۱۹۸)

”اس دور میں اس کی مثال بینہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ قبروں کی تظمیم میں مشغول رہتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تظمیم کریں گے تو قبروں اے بزرگ اللہ کے پاس ان کی سفارش کریں گے۔“

(۱۹۶) التفسير الكبير للرازى ج ۲۲ ص ۶۳۔ اس کے علاوہ بھی اس موضوع کو امام رازی نے متعدد جگہ چھیڑا ہے اور سب کا حاصل ایک ہی ہے۔

(۱۹۷) بینہ یہی بات آج بھی عام لوگ کرتے ہیں کہ ہم تو گناہگار ہیں، اللہ کے حضور حاضری کے لائق نہیں ہیں اور نہ ہی ہم اس تک آسمانی سے بخیکھتے ہیں، جبکہ اولیائے کرام کا اللہ کے نزدیک ایک مقام ہے، اس لئے ہم پسلے اپنی عرض و درخواست ان کے سامنے رکھتے ہیں اور وہ ہماری درخواست اللہ تک پہنچاویتے ہیں۔

(۱۹۸) القیر الكبير ج ۱، ص ۶۳۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ڈوڑھا ضر کے مسلمانوں کے عقیدہ شفاعت و
وساطت اور مشرکین اولین کے عقیدہ شفاعت میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ
اوّلًا: تو جن سینکڑوں اور لاکھوں بزرگوں کی قبروں کی تعظیم، ان کی
روحوں سے استغاثہ و استغاثہ کیا جا رہا ہے ان سے متعلق کسی کو علم ہی نہیں کہ
اللہ کی طرف سے انہیں شفاعت کی اجازت ہو گی یا نہیں۔

ثانیاً: جن کی شفاعت کی امید ہم رکھے ہوئے ہیں وہ ہماری باتوں کو سن بھی
سکتے ہیں یا نہیں؟

ثالثاً: ہمارا یہ عمل اللہ کو پسند ہے بھی کہ نہیں؟ اور اس کے بعد ہمارے
حق میں متعلقہ فرد کو شفاعت کی اجازت ملے گی؟

اب ظاہر بات ہے کہ ان تینوں باتوں کا کوئی صحیح جواب ان عاشقان اولیاء
اور محبانِ شفاعت کے پاس نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چیلنج کے انداز میں
سوال کیا ہے :

﴿فُلْ هُلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتَخْرُجُوهُ لَنَا طَ﴾ (الانعام: ۱۳۸)

”کوئی کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے سے راضی ہوں،
جس کے حق میں شفاعت کی جا رہی ہو اس سے راضی ہوں، تو ان شاء اللہ
قیامت کے دن شفاعت قبول ہو گی، ورنہ ایک جاہلانہ سراب ہے جس میں نادان
مشرک زمانہ قدیم میں بھکلتے رہے اور ڈوڑھا ضر کے پڑھے لکھے جاہل بھی بھکل
رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح عقیدے کی سمجھ عطا فرمائے اور اس کے بعد
اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشنے۔ آمین ثم آمین۔

دوسرا شہبہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ : ”اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس عظیم و اعلیٰ و
ارفع ہے، وہاں تک پہنچنا ہر کس دنکام نہیں، کیا یہ شہبہ فی الواقع صحیح ہے؟“

① سب سے اہم بات یہ ہے کہ خالق کائنات کے کاموں کو مخلوق کے معاملات سے تشبیہہ دینا بہت بڑا جرم ہے، جو کہ کفار و مشرکین کا شیوه رہا ہے۔ اس کی تردید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَلَا تَصْرِيبُوا اللَّهَ الْأَمْثَالَ ﴿٧٣﴾ (النَّحْل : ٧٣)

”اللَّهُ كَمَالُ الْمَالِينَ نَهْ بِيَانِكُرو۔“

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ”تدریب القرآن“ میں رقم طراز ہیں :

”ضربِ مثل“ سے یہاں خراد تمثیل و تشبیہہ کو ذریعہ بنائ کر خدا کے لئے صفتیں بیان کرتا ہے، مثلاً یہ کہ اپنے اوپر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ خدا کی پیشیاں ہیں، یا دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے خدا کو ان کی جیسی صفات سے متصف کیا جائے۔ شرک کے پیشتر دروازے اسی تمثیل و تشبیہہ سے کھلے ہیں۔ اسی وجہ سے اوپر کی آیات میں خدا کی صفات کے باب میں صحیح رہنمائی دے کر اس فتنہ کے دروازے کو بند کر دیا۔ فرمایا کہ خدا کی صفات کے معاملے پر تشبیہہ و قیاس آرائی کو رہنمائے بناو۔ خدا اپنی صفات کو خود ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ اس وجہ سے اپنی صفتیں جو وہ بتاتا ہے ان کو مانو اور ان پر ایمان لاو، یعنی راستہ ہدایت کا ہے۔^(۱۹۹)

امام فخر الدین رازی ^{رحمۃ اللہ علیہ} اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں تین مفہوم ہیں :

- ① عام طور پر مفسرین نے کہا کہ اللہ کو مخلوق سے تشبیہہ نہ دو۔
- ② زجاج ^{رحمۃ اللہ علیہ} کا قول ہے کہ کسی کو اللہ کا شبیہہ و شیل نہ قرار دو^(۲۰۰) کیونکہ

(۱۹۹) تدریب القرآن ج ۳، ص ۳۲۱

(۲۰۰) یہ دوسرا قول پسلے کے بالکل بر عکس ہے، یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کے اعمال کو ۔

وہ اکیلا اور بے نظر ہے۔

(۲) اور میں (امام الرزای) کہتا ہوں کہ اس آیت کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ بتوں کے پجاری کہا کرتے تھے کہ سب سے بڑا معبود اس سے کمیں بلند ہے کہ ہم جیسے لوگ اس کی عبادت کر سکیں، اس لئے ہم ان ستاروں یا بتوں کو پوچھتے ہیں، پھر یہ ستارے اور بنت بڑے معبود کو پوچھتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ عام لوگ تو بادشاہ اعظم کے مقریین وزراء و امراء کی خدمت کرتے ہیں اور یہ بڑے لوگ بادشاہ اعظم کی خدمت ان جام دیتے ہیں (اور لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں) اسی طرح اللہ اور دوسرے لوگوں کا معاملہ ہے۔ ان کی اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ان بتوں اور کو اکب کی عبادت کو چھوڑو اور ان مثالوں کے پیچھے نہ پڑو اور اللہ واحد و حکیم و قدری کی عبادت میں خلوص سے ہمہ تن مشغول ہو جاؤ۔ (۲۰۱)

(۳) امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ مثال اللہ وحدۃ لا شریک له کی شان میں گستاخی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دنیا کے فاسق و فاجرو ظالم بادشاہوں کو ایک ہی صفت میں کھڑا کر دیا گیا ہے، بلکہ اللہ کے ساتھ بہت بڑی بدگمانی ہے کہ ظالم بادشاہوں کی طرح اللہ بھی سفارشات پر ہی عطا کرتا ہے، جس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ :

- ① زور دار سفارش والا اپنے حق سے زیادہ لے سکتا ہے۔
- ② جس کے پاس سفارش نہ رہی وہ اپنے خالص حق سے بھی محروم ہو

﴿ مخلوق پر قیاس کر کے ان سے تشبیہ دو اور نہ ہی مخلوق کے اندر ان صفات کا تصور کرو جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں - (۲۰۱) التَّقْيِيرُ الْكَبِيرُ ج ۲۰، ص ۸۵ ﴾

سکتا ہے۔

اور یہ دونوں ظلم کی شکلیں ہیں۔ کیا ایسی مثالیں بیان کرنے والوں کی نگاہ میں اللہ ظالم ہے؟ ﴿تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ شاید خلیل الرحمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرق کو اسی ظلم پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا :

﴿أَئِنْكَا إِلَهَ مِنْ دُونَ اللَّهِ ثُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنَّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾ (الصفت: ۸۲، ۸۷)

”کیا تم اللہ کے علاوہ گھرے ہوئے مجبود چاہتے ہو؟ تو یہ بتاؤ کہ رب العالمین کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے؟“

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح بندوں کے سارے معاملات اور احوال و کوائف سے باخبر نہیں ہے اور دنیاوی رئیسوں اور بادشاہوں کی طرح اسے بھی وسیلوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ حاشا اللہ۔

اللہ کی معرفت رکھنے والا کوئی شخص ایسی جارت نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ تک کسی مجبور کا بغیر کسی واسطے کے پہنچ جانا تو باعث فخر ہوا اور اس کی سیرت کے زریں صفات کی زینت بنے اور جب معاملہ احکام الحاکمین اور اعدل العادلین تک پہنچے تو اس کے لئے وسیلہ کی ضرورت درپیش ہو۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو :

﴿مَا لَكُمْ سَيِّفٌ تَحْكُمُونَ ۝﴾ (الصفت: ۱۵۳)

”تمیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟“

❷ قابل غور بات ہے کہ کسی تک پہنچنے کے لئے واسطے کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں کوئی شخص اس قدر رذوریاً و نچا ہو کہ وہاں تک رسائی نہ ہو سکتی ہو، جبکہ اللہ کا معاملہ اس کے بالکل بر عکس ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے بست قریب

ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

﴿وَإِذَا سَأَلْتَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أَجِيبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِنِي وَلَيُؤْمِنُوا بِنِي لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُونَ﴾ (آل بقرة: ۱۸۶)

”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ
کہہ دیجئے کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پاکارنے والے کی پکار کو، جب
بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ میری
بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلانی کا
باعث ہے۔“

آیت مذکورہ کاشان نزول

عام طور پر مفسرین اس آیت کاشان نزول کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ
کسی نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا: یا فَحَمَدًا قَرِيبٌ رَبُّنَا فَاجِهْ أَمْ
بَعِيدٌ فَشَادِيهْ؟ ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بھلا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے
سرگوشی کریں یا کہ ہم سے ذور ہے کہ ہم اسے پکاریں؟“ تو اس پر یہ آیت نازل
ہوئی، جس میں اللہ نے بتلا دیا کہ میں اپنے بندے کے بہت قریب ہوں۔ یعنی اللہ
تعالیٰ کسی بھی ڈعا کرنے والے کی ڈعا کونہ تو (بلا سبب) رد کرتا ہے اور نہ ہی اسے
ڈعا نئے سے کوئی چیز مشغول رکھتی ہے، بلکہ وہ وعاوں کا شفے والا ہے۔ (۲۰۱)

نیزاں کی تائید متعدد احادیث قدیسے سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیحین کی
ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

(۲۰۲) دیکھئے تفسیر الصبری ج ۲، ص ۱۹۳، ۱۹۵۔ تفسیر البغوي ج ۱، ص ۲۰۳۔
المحرر الوجيز، ص ۲۵۵۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۵۵ وغیرہ کتب تفسیر

((أَنَّا مَعَ ظُنْنِ عَبْدِنِي بِنِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرْنِي)) (۲۰۳)

”میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں“ اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“

ایک دوسری حدیث قدسی میں ہے :

((أَنَّا مَعَ عَبْدِنِي إِذَا ذَكَرْنِي وَتَحْرَكْتُ بِنِي شَفَتَاهُ)) (۲۰۴)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جب بھی میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے نام سے حرکت کرتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“

۲ امرِ واقعہ میں بات صرف ویلے کی حد تک نہیں رہ گئی بلکہ ویلے کے نام پر توحیدِ الہی کی ساری بنیادیں ہی ڈھاری گئی ہیں، خصوصاً خوف و رجا، توکل، خشوع اور محبت سب کچھ غیر اللہ کے نام و قف ہو کر رہ گیا ہے، کیونکہ عام لوگ ویلے سے آگے بڑھ کر سب کچھ نبیوں اور ولیوں سے مانگنے لگے ہیں اور ان کے دل پر اس نبی یا ولی کا اس قدر خوف، خضوع و انکسار اور دلی تعلق ہوتا ہے کہ مالکِ حقیقی اور معبد و برحق کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ بات ہر شخص کے مشاہدے میں ہے کہ مسجد بلکہ حریم شریفین میں داخل ہوتے وقت ان لوگوں کے دلوں کی وہ کیفیت نہیں ہوتی جو کسی مزار یا قبر پر حاضری کے وقت ہوتی ہے۔ نماز پڑھتے وقت ان کے دل و دماغ پر خشوع و خضوع کا وہ جذبہ نہیں ہوتا جو بابا کے مزار

(۲۰۵) صحيح البخارى : ۲۰۵ التوحيد باب ۱۵۔ صحيح مسلم :

۲۶۷۵ الاذكار باب - عن أبي هريرة

(۲۰۶) صحيح البخارى كتاب التوحيد باب ۲۲ معلقاً - سنن ابن ماجه :

۲۹۳ الادب باب ۵۳ - صحيح ابن حبان : [۲۳۱۲ الموارد] مستدرک

الحاكم ج ۱ ص ۲۹۶ عن أبي هريرة -

پر فاتحہ پڑھتے وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ نماز پڑھتے وقت یا نماز کے بعد ڈعماں لگتے وقت آپ شاید ہی کسی کو گریہ وزاری میں مشغول پائیں گے، اسی طرح مسجد میں شاید ہی کوئی آپ کو ملے جو رورکرا اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنی بگزی ہوئی بنوار ہا ہو، برخلاف اس کے آپ کسی مزار پر چلے جائیں تو وہاں گریہ وزاری اور نالہ و فریاد کی وہ کیفیت نظر آئے گی کہ ویسی آپ کسی دوسری جگہ نہ یا میں گے۔

اہل عقل اور اصحاب فکر و نظر کے لئے ایسے منظیر میں غور و فکر کی اپیل ہے کہ آخر ایسی صورت حال ایک مسلم معاشرے میں کیوں نکر پیدا ہوئی۔ پھر شاید یہ کوئی میری اس رائے سے اختلاف رکھے کہ یہ ساری حرکات و برکات اس وسیلہ، مروجہ کا نتیجہ ہیں جسے ثابت کرنے کے لئے قائلین و سیلہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔

سوچیں تو وسیلہ کے نام پر بات کماں سے کماں پہنچ گئی ۔۔ فائیں تدھبؤں ۰) ”کماں بھکلے چارہے ہو؟“ ۔

اس جنوں کو ذرا دھوپ سے روکو مخدوم
چھوڑ کر چھاؤں گلی تر کی کہاں جانے لگے!

۵) مزید بر آں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت آدم سے لے کر حضرت داؤد و سلیمان، حضرت موئی و ایوب سے ہوتے ہوئے حضرت عینی میثک نہ اور ان کے حواریین کی دعاوں کا ذکر موجود ہے، بلکہ بعض مقامات پر اس امت کی دعاوں کا تذکرہ ہے، لیکن کسی بھی جگہ کسی نبی و ولی کی ذات و مقام و دعا کے وسیلے کا نشان تک نہیں ہے۔ قرآن حکیم کو ذرا کھول کر ایک نظر دیکھ لیں (۲۰۰۵)

(٢٠٥) ملاحظہ ہو یوسف: ۱۹، التمل: ۱۹، الانبیاء: ۸۳، آل عمران (۵۲، ۵۳ و ۱۳۶)، الحشر: ۱۰، المائدۃ: ۵، النساء: ۲۵، البقرۃ: ۲۰، الحشر: ۱۰۔ مزید متعدد آیات دیکھی جا سکتی ہیں۔

بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

اور آگے بڑھئے! اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت دعائیں کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہیں، متعدد علماء نے مستقل تصنیف میں ان دعاوں کو جمع کیا ہے، لیکن ان کتابوں میں کوئی ایک بھی ایسی دعا نہیں ہے جس میں کسی کی ذات، حق یا جاہ و منزالت کا واسطہ موجود ہو۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ہر بھلی بات جو قربِ اللہ کا وسیلہ ہو سکتی ہے بتلادی ہے، خواہ وہ دعا کی شکل میں ہو یا عمل کی شکل میں، لیکن کہیں بھی ان بدعتی وسائل کی تعلیم کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ تین باتیں ایسی ہیں جنہیں رقم سطور بڑی ذمہ داری اور امانت داری سے کہہ سکتا ہے۔ مذکورہ شبہ کی غیر معقولیت کی اور بھی بستی و جوہات ہو سکتی ہیں، لیکن طالب حق کے لئے فہم مقصود کی خاطر اتنا ہی کافی ہے (ان شاء اللہ) اب آخر میں اس شبہ کی ترویید میں سلطان العلماء العزیز بن عبد السلام التوفی ۶۶۰ھ کے رسالہ "الواسط" ج ۵ سے ایک اقتباس کا ترجمہ نقل کرتے ہیں جس کا ذکر علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التوسل ص ۱۳۸ تا ۱۴۹ اور ایک طبع کے مطابق ص ۱۳۵ تا ۱۴۷ پر کیا ہے۔

"اور جس نے انبیاء ﷺ کو یا ان کے علاوہ علمائے دین کو اللہ اور بندوں کے بیچ واسطے اور وسیلہ قرار دیا جس طرح کہ بادشاہ اور اس کی رعایا کے بیچ وزیر و مشیر حضرات رابط ہوا کرتے ہیں، باسیں معنی کہ یہ انبیاء و اولیاء مخلوق کی ضروریات رب العالمین تک پہنچائیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی کے وسیلے سے بندوں کو ہدایت، رزق اور مدد وغیرہ پہنچائے، اس معنی میں کہ مخلوق ان بزرگوں سے مانگتی ہے اور یہ بزرگ اللہ سے مانگتے ہیں، جس طرح کہ بادشاہ کے وزیر مشیر اور پرے دار

بادشاہ سے قربت کی وجہ سے لوگوں کی ضروریات بادشاہ سے طلب کرتے ہیں اور عام لوگ ادباً بادشاہ سے مانگنے کی بجائے ان واٹھوں سے طلب کرتے ہیں، کیونکہ عوام کا ان وسلیوں اور واٹھوں سے مانگنا بلاواسطہ مانگنے کے مقابلہ میں زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ مانگنے والوں کے مقابلے میں یہ وزیر مشیر اور درباری بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، تو جس نے اللہ اور بندوں کے درمیان اس طرح کے واسطے ثابت کئے وہ کافروں مشرک ہے، اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، اگر توبہ کرے تو تھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ ایسے لوگ اللہ کو مخلوق سے تشپیہ دے رہے ہیں اور اس کے لئے شریک و شیل ثابت کر رہے ہیں۔“

مردہ جہ و سیلہ اسلام کے منافی امور میں کیوں داخل ہے؟

چچھل تفصیل سے معلوم ہوا کہ و سیلہ کی دو قسمیں ہیں :

① مشروع و جائز

② منوع و حرام

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی متعدد صورتیں ہیں :

سابقہ بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ منوع و سیلہ کی تمام صورتیں اسلام کے منافی امور میں داخل نہیں ہیں، بلکہ اس کی صرف چوتھی صورت اسلام کے منافی ہے۔ البتہ باقی تین صورتیں بدعت، حرام، شرکِ اصغر اور شرکِ اکبر تک پہنچنے کا ذریعہ تو ضرور ہیں لیکن انہیں اسلام کے منافی امور میں شامل نہیں کیا جاسکتا ہے۔

و سیلہ منوع کی چوتھی صورت اور اس نے متعلق شبہات پر جو بحث کی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قسم اسلام کے منافی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے چند باتیں لکھی جاتی ہیں کہ آخر یہ و سیلہ اسلام کے منافی کس وجہ سے ہے؟ اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں :

① و سیلہ طلب کرنے والا جس مخلوق کا و سیلہ لے رہا ہے اس کے اندر اس نے نبی اور غیر فطری قوت کا عقیدہ گھڑایا ہے کہ وہ شخص عالم الغائب ہے اور اس کے اندر ریا یہ طاقت ہے کہ وہ غیر فطری وسائل سے تصرف کر سکتا ہے، مزدہ ہونے کے باوجود اس کے آنکھ کان نہ صرف کام کر رہے ہیں بلکہ ان کے اندر مزید قوت پیدا ہو گئی ہے اور معروف وسائل کے بغیر بھی ان کے اندر نفع و نقصان کی قوت موجود ہے، جبکہ یہ عقیدہ سرا سر گمراہی اور

ضلالت ہے۔ عالم الغیب ہونا اور نفع و نقصان کا مالک ہونا صرف اللہ تعالیٰ کا

خاصہ ہے۔ (۲۰۶) اس عالم میں تصرف اسی کا ہے (۲۰۷)

② اس نے ”توکل“ جیسی اہم عبادت قلبی کو غیر اللہ کے لئے خاص کیا، جبکہ ”توکل“ صرف اللہ تعالیٰ پر کیا جا سکتا ہے۔ (۲۰۸)

③ اس نے ذعا جیسی اہم عبادت کو غیر اللہ کے لئے صرف کیا۔ یہ تمام باتیں

(۲۰۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ طَوْهَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يَنْعَثِرُونَ﴾ (النمل: ۲۵) ان سے کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسماؤں اور زمین والوں میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ (تمارے معبدوں تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب الحاضرے جائیں گے؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”وَمَنْ حَدَّثَكَ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي غَدِيفَةِ كَذَبَ“ (صحیح البخاری: ۲۸۵۵، التفسیر باب ۵۳)۔ ”جو تم سے یہ بیان کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی بات (یعنی غیب) جانتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا۔“

(۲۰۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فُلْ مَنْ يَدِهِ مَلْكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ء وَهُوَ يَجِيزُ لَا يَحْجَازُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سِيَقُولُونَ لِلَّهِ طَفْلُ فَأَنْتَيْ شَخْرُونَ﴾ (الثُّوْمَانُونَ: ۸۹، ۸۸)

”ان سے کوئی بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ یعنی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کہ ہڑ جاؤ کر دیجئے جاتے ہو۔“ (یعنی تماری عقولوں کو کیا ہو گی ہے کہ اس اعتراف کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو)۔“

(۲۰۸) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (الماندہ: ۲۳) ”اگر تم مؤمن ہو تو صرف اللہؐ پر بھروسہ کرو۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصِبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَازْغِتْ﴾ (الانشراح: ۷، ۸) ”جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے رب نے طرف راغب ہو جاؤ۔“

تفصیل سے گزر چکی ہیں کہ کسی بھی قسم کی دعا غیر اللہ سے جائز نہیں ہے بلکہ یہ شرکِ اکبر میں داخل ہے۔ (۲۰۹)

(۲) عام طور پر جو لوگ اس وسیلہ کے قائل ہیں وہ نام تو وسیلہ کا لیتے ہیں لیکن فی الواقع وہ ضرورت و مصیبت کے وقت استغاثہ یا اپنی ضروریات غیر اللہ کے سامنے کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا ساری کائنات کا مالک اور متصرف یہی بزرگ ہیں۔ اور ایسا کرتا بعینہ وہی شرک ہے جس کا ارتکاب عرب کے مشرکین کیا کرتے تھے (۲۱۰) جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

والحمد لله بنعمته تتم الصالحات، وصلى الله على نبيه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين ۰۰

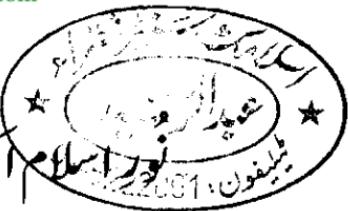
(۲۰۹) یہ ایسا عمل ہے جس کے شرک ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ہندوستان گجرات کے مشور عالم علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی رویجہ متوفی ۱۳۹۸ھ اپنی مشور و نادر کتاب "مجموع بخار الانوار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ : "اگر کوئی شخص انبیاء و صلحاء کی قبر کی زیارت اس نیت سے کرتا ہے کہ وہاں نماز پڑھے یا دعا کرے یا ان سے اپنی ضروریات پوری کرانے کی درخواست کرے تو یہ کام تمام علمائے مسلمین کے نزدیک ناجائز ہو گا، کیونکہ عبادت، ضروریات کا طلب کرنا یاد و طلب کرنا صرف اللہ کا حق ہے"۔ (ج ۳، ص ۳۲۳ مادۃ زور)

(۲۱۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

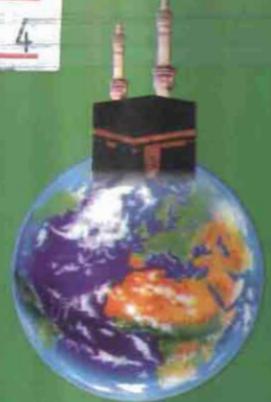
وَيَعْبُدُونَ مِنْ ذُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَضْرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ لَأَءِ شَفَاعًا وَنَعْنَدَ اللَّهَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ شَبَّهُهُمْ وَتَعَالَى عَمَّا يَشَرِّكُونَ ۝ (یونس: ۱۸)

"اور یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہ دینجے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خردیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور زمین میں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔"

نورِ اسلامِ اکیدیٰ کی نور افروز کتابیں



- اسلام کے بنیادی عقائد
الاستاذ محمد بن صالح العثيمین
 - غلطیوں کی اصلاح کا نبیوی طریق کار
علامہ محمد بن صالح المسجد
 - کیرہ گناہوں کی حقیقت
ابو عبدالرحمن شبیر بن نور
 - ارادوہ ہے تو بے کرلوں، لیکن....!
الاستاذ عبد الرحمن الشافعی
 - مختار حکام امام حنفیہ کا فراختر
علامہ محمد ناصر الدین الالبانی
 - بر بادی اعمال کے اسباب
سلیمان بن عیاد البلاطی
 - مسلمان عورت کا پرداہ اور لباسِ نماز
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ بریجی
 - پھاڑ جیسے گناہ
حافظ شمس الدین الدہبی
 - نماز میں خشوع... کیوں اور کیسے؟
علامہ محمد بن صالح المنجد
 - نماز کی اہمیت
علامہ محمد بن صالح العثيمین
 - حقیقت و سیلہ
مقصود الحسن فیضی
 - مناجاتِ حرم
مرتب: ابو عبدالرحمن شبیر بن نور
 - دو روشن ستارے بہتیں
عبد الرشید عراقی
 - ایمانیاتِ اسلام
علامہ عبد الجبید الزندانی
 - مسئلہ خیرو شر
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ بریجی
 - جنت کی راہ
ابو عبدالرحمن شبیر بن نور
 - قیامت کی ہوں تکلیف کا فیض
الاستاذ عبد الرحمن الشافعی
 - مختار حکام امام حنفیہ کا فراختر
علامہ محمد ناصر الدین الالبانی
 - جنت اور جہنم کی راہیں
دار ابن سبارک الخیر
 - تہذیب اطفال
علامہ ابن قم الجوزی
 - نفاق کی نشانیاں
الاستاذ عائض عبد الله القرنی
 - مسائل توحید
علامہ عبد اللہ بن عبد الرحمن الجبرین
 - تفسیر سورۃ الفاتحہ
امام محمد بن عبد الوہاب تیمیہ بریجی
 - پھول پھول خوشبو
عین الرحمن صدیقی
 - یوم جمعہ: فضائل، مسائل اور حکام
ابو عبدالرحمن شبیر بن نور
 - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بریجی
عبد الرشید عراقی
- سعودی عرب میں ملنے کا پتہ :



HAQIQAT-E-WASILA

MAQSOOD-UL-HASSAN FAIZI



المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بالخطاط

هاتف و فاكس ٦٤٤٣١٥٧٦ . ص. ب ١١٧